سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کا مخصوص نظریہ حدیث

تالیف
حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ





حدیث پبلیکشنز، دھلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیه ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

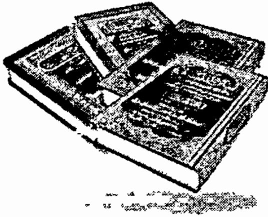
﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

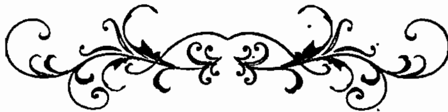
سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کا مخصوص نظریہ حدیث



تالیف

حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ

تبویب و تخریج : حافظ عبدالوہاب روپڑی



حدیث پبلیکشنز، دھلی



نام کتاب	سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا مخصوص نظریہ حدیث
تالیف	حافظ عبداللہ محدّث روپڑیؒ
تبویب و تخریج:	حافظ عبدالوہاب روپڑی
طابع وناشر	حدیث پبلیکشنز، دھلی
سال اشاعت	مارچ ۲۰۱۴ء
تعداد اشاعت	ایک ہزار ایک سو
صفحات	137

مکتبہ الفہیم ریحان مارکیٹ صدر چوک مئوناتھ بھنجن (یوپی)	
القرآن پبلیکشنز سری نگر میسوما بازار، سری نگر	اسلام بک سینٹر شمسی مالدہ۔ شمسی بک سینٹر مالدہ
دارالکتب الاسلامیہ، مٹیامحل، دہلی	اسلامک بک سروس سری نگر۔ مکتبہ دارالسلام سری نگر
بیسٹ سیلر سری نگر ۔ سلفیہ بک شاپ، سری نگر	اسلام ورلڈ بک سیلر، فریشر ٹاؤن بنگلور
کوہ نور انٹرپرائزیز اورنگ آباد مہاراشٹر	خیر بک ڈپو، ڈومریا گنج۔ الکتاب انٹرنیشنل جامعہ نگر دہلی
دکن ٹریڈرس مغل پورہ، حیدرآباد	مکتبہ المعارف ممبئی، عمری بک ڈپو ممبئی
مکتبہ الحرمین، زکریا اسٹریٹ کولکاتا	سلفیہ اسلامک ریسرچ سینٹر، کانپور
اسلامک انفارمیشن سینٹر، کرلا ممبئی	حافظ عبدالخالق صاحب، ناندیڑ ۔ مکتبہ دارالسلام اننت ناگ
مکتبہ المعارف بھنڈی بازار ممبئی ۔ مکتبہ السنہ، ممبئی۔	مکتبہ مسلم بربرشاہ سری نگر۔ اسلامک بک سینٹر (سلفیہ مسجد) بنگلور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

محدث روپڑیؒ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں آپ علوم قرآن اور علوم حدیث میں ید طولی رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ کے فتاوی جات کو بطور سند علمی حلقوں میں پیش کیا جاتا ہے اور یہ آپ ایک محدث کے طور پر دنیا اسلام میں پہچانے جاتے ہیں اگر آپ کے سامنے کسی بھی قسم کا الجھاؤ ہوا مسئلہ پیش ہوتا تو آپ فوراً قرآن وسنت کی روشنی میں حل فرما دیتے آپ کو قرآن وسنت سے اس قدر محبت تھی کہ قرآن وسنت کا دفاع آپ کا شعار تھا اور سنت کے معاملہ میں آپ نے کبھی بھی مداہنت سے کام نہیں لیا۔

مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ حدیث نبوی بھی شرعی حجت ہے

ہندوستان کے شہر علی گڑھ میں سرسید احمد خان نے سب سے پہلے انکار حدیث کی آواز کو بلند کر کے دعوی کیا کہ ہمیں بحیثیت شرعی حجت کے قرآن ہی کافی ہے اس کے بعد اس فتنے نے لاہور کا رخ کیا اور مولوی عبداللہ چکڑالوی نے اس کی ترویج میں بھرپور حصہ لیا آخر کار یہ فتنہ مختلف اطراف کا رخ کرتا ہوا مولانا مودودی تک پہنچا اور مولانا موصوف بھی متاثر ہو کر اس کے راہ کے راہی بنے اور انہوں نے حدیث رسول کے متعلق دو شبہات ایسے پیدا کیے (پہلا شبہ اسماء الرجال کی حیثیت سے) اور دوسرا درایت اور ذوق کی حیثیت سے اور یہ دونوں ایسے شبہات ہیں جن کی بنا پر حدیث رسول کو آسانی سے رد کیا جا سکتا ہے۔

اس وقت کے علماء حق نے وقت کی نزاکت کے پیش نظر قلم اٹھایا اور اپنے اپنے انداز میں اس کا رد کیا پھر احباب جماعت کے اصرار پر ۱۹۵۵ میں حضرت العلام محدث روپڑیؒ نے بھی بڑے احسن اور مدلل پیرائے میں ان شبہات کا جواب لکھا اور وہ علمی جواہرات محدث روپڑی اکیڈمی نے شائع کر کے حدیث رسول کی خدمت سرانجام دی ہے دعا ہے اللہ تعالی اس کاوش کو ہماری اخروی نجات کا ذریعہ بنائے آمین۔

خیر اندیش

حافظ عبدالوھاب روپڑی

فہرست مضمون

نمبر شمار	فہرست مضمون	صفحہ نمبر
41	فرقہ ناجیہ اور آسمانی شہادتیں	70
42	ایک غلط فہمی کا ازالہ	76
43	گمراہی کا باعث غلطی	77
44	اصطلاحات ومحاورات کے سمجھنے کا انحصار واضع پر ہوتا ہے	78
45	حجیت حدیث پر ادلہ اربعہ	80
46	پگ ڈنڈیوں کا بیان	82
47	خبر متواتر اور خبر واحد میں فرق	84
48	مقام اول	86
49	مولانا مودودی اور تفویض طلاق	86
50	مولانا مودودی کی غلطی	87
51	مقام دوم	89
52	مولانا مودودی کا مبلغ علم	89
53	گمراہ فرق	93
54	مولانا اصلاحی صاحب کا ذکر خیر	98
55	مولانا اصلاحی خامیوں کی دلدل میں	99
56	مولانا اصلاحی کی تعریف سے پیدا ہونے والی خرابیاں	100
57	فتنہ مولانا مودودی اور انکار حدیث ومرزائیت	102
58	پہلی صورت	106

صفحہ نمبر	فہرست مضمون	نمبر شمار
107	مولانا کا ذوق سلیم	59
108	دوسری صورت	60
110	مولانا مودودی خود اپنے جال میں	61
111	مودودی صاحب کا آئمہ مجتہدین پر بہتان	62
113	فقہی مسائل میں علماء کے اختلاف کی وجہ	63
115	مودودی صاحب میں مرزا صاحب کی روح	64
118	محدثین کے نزدیک صحت حدیث کی شروط	65
121	فرقہ باطلہ کی تردید	66
121	محدثین کا نقطہ نظر	67
122	مولانا مودودی کا دعوی اور منکرین حدیث کی تردید	68
125	قارئین کرام	69
125	محدث کی درایت مجتہد سے قوی ہوتی ہے	70
128	مولانا مودودی کی نظر میں محدثین کی کمزوریاں	71
128	فقیہانہ نظر کی چند اور امثلہ	72
131	فقیہانہ نظر کی مزید وضاحت	73
132	محدث اور فقیہ کا مناظرہ	74
135	مولانا عبدالحیٔ لکھنوی اور محدثین کا رجحان	75
136	امام طحاوی اور حق و باطل کا معیار	76

امت مسلمہ اور جماعت اسلامی

یہ دونوں کیسے پیارے نام ہیں مگر انکے تحت جو کچھ ہو رہا ہے وہ دشمنی اسلام ہے۔ پہلا فرقہ تو منکر حدیث ہے۔ کلام الٰہی کے ساتھ اپنی رائے سے کھیل رہا ہے اور حدیث جو قرآن کی تفسیر ہے اس کا مذاق اڑا رہا ہے اور دوسرے نے مرزائی چال اختیار کر رکھی ہے ظاہر اقرار اور اندر سے انکار۔

مرزا غلام احمد نے صحت حدیث کی یہ شرط کی تھی کہ میری وحی کے موافق ہو اور مودودی نے یہ شرط کی ہے کہ میرے نزدیک وہ صحیح ہے جو میرے ذوق کے موافق ہو۔

گمراہ فرقے اسی طرح لیبل اچھالگا کر گمراہی پھیلاتے ہیں۔

رافضی شیعان علی معتزلہ اہل العدل والتوحید مرزائی احمدی منکرین حدیث امت مسلمہ اور مودودی جماعت اسلامی وغیرہ۔

جن فرقوں کے ظہور کو کافی عرصہ گزر گیا ہے ان کی گمراہی کا پردہ چاک ہو چکا ہے مگر مودودیت نے ابھی ابھی جنم لیا ہے اس لئے یہ پردہ اخفا میں ہے عوام تو کجا کئی خواص بلکہ کئی مولوی بھی اس کو سراہتے ہیں جس سے یہ فتنہ دن بدن زور پکڑ رہا ہے۔ یہاں تک کہ کئی مولوی اس میں شامل ہو گئے ہیں۔ اس وقت علمائے حقانی کا اہم فریضہ ہے کہ اس کا استیصال کریں اور لوگوں کو اس گمراہی سے بچائیں۔ چنانچہ آئندہ مضمون اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے خدا تعالیٰ ہمیں اخلاص بخشے اور ناظرین کرام کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

اللهم اجعل اعمالنا كلها صالحة واجعلها لوجهك خالصة ولاتجعل لا حدفيها شيأ.

عبداللہ امرتسری روپڑی

الاستفتاء

محترم ومکرم جناب مولانا صاحب زادمجدکم!

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ سے اگرچہ کسی قسم کا تعارف نہیں ہے مگر اپنے بزرگ سے مسئلہ دریافت کرنا اس امر کا مقتضی نہیں ہے کہ جان پہچان ہو۔لہذا آپ کی طرف رجوع کرنے کی جسارت کرر رہاہوں امید ہے کہ آپ ضرور میری تشفی فرمائیں گے۔

آج سنت رسول ﷺ پر جس انداز سے مختلف اطراف سے حملے کئے جا رہے ہیں ۔آپ اس سے بخوبی واقف ہیں منکرین حدیث تو خیر حد سے گزر گئے ہیں مگر باوجود اہل سنت کہلوانے کے کچھ لوگ اس مقدس ذخیرہ پر نقطہ چینی کر کے عامۃ المسلمین کے دلوں سے حدیث کی عظمت کو گھٹا رہے ہیں ۔پچھلے دنوں ایک حنفی المذہب مولوی سے حجت حدیث کے موضوع پر گفتگو ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ،

۱. مذہب حنفیہ میں جو مقام روایت کا ہے وہی درایت کا بھی ہے کیا یہ صحیح ہے انہوں نے اپنی دلیل میں مولانا مودودی کا مسلک اعتدال والا مضمون اور ان کے نظریہ کی طرف توجہ دلائی میں خود بھی مولانا سے تھوڑا بہت متاثر ہوں مگر مسلک اعتدال میں جو کچھ انہوں نے فرمایا وہ مجھے پسند نہیں آیا۔

۲. مولانا مودودی کا حجت حدیث کے متعلق نظریہ کس حد تک قابل برداشت ہے یعنی محدثین کے نقطہ نظر سے یہ نظریہ کس حد تک صحیح ہے۔

۳. یہ بھی فرمائیں کہ کم از کم اہل حدیث اور حنفی المذہب لوگوں کے نقطہ نظر سے

کن اشخاص کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ احادیث راویان احادیث اور مصنفین کتب احادیث پر جرح وتنقید کریں۔

۴: براہ مہربانی یہ بھی سمجھائیں کہ مولانا مودودی صاحب نے احادیث اور کتب احادیث پر جس انداز سے بحث کی ہے۔ کیا ان سے قبل بھی کسی سے ایسا ہوا۔ عیسیٰ بن ابان کا بھی یہ نظریہ تو نہ تھا مولانا مودودی صاحب نے ترجمان القرآن ماہ مئی ۵۵ء کے صفحہ ۶۳ پر فرمایا ہے کہ ''ایک گروہ روایت پرستی میں غلو کر کے اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اسے بخاری ومسلم کے چند راویوں کی صداقت زیادہ عزیز ہے اور اس بات کی پرواہ نہیں ہے کہ اس سے ایک نبی پر جھوٹ کا الزام عائد ہوتا ہے آگے چل کر فرماتے ہیں کہ اور نہ فن حدیث کے نقطہ نظر سے کسی حدیث کی سند کا مضبوط ہونا اس بات کا مستلزم ہے کہ اس کا متن خواہ کتنا ہی قابل اعتراض ہو مگر اسے ضرور آنکھیں بند کر کے مان لیا جائے کیونکہ سند کے قوی اور قابل اعتماد ہونے کے باوجود بھی اسباب ایسے ہوتے ہیں کہ جن کی وجہ سے ایک متن غلط صورت میں نقل ہو جاتا ہے۔ اور ایسے مضامین پر مشتمل ہوتا ہے کہ جن کی قباحت خود پکار رہی ہوتی ہے کہ یہ باتیں نبی ﷺ کی فرمائی ہوئی نہیں ہوسکتیں۔ اس لئے سند کے ساتھ متن کو دیکھنا بھی ضروری ہے اور اگر متن میں واقعی کوئی قباحت ہو تو پھر اس کی صحت میں خواہ مخواہ اصرار کرنا صحیح نہیں ہے آگے چل کر فرماتے ہیں کیا یہ کوئی معقول بات ہے کہ جس حدیث کا متن ایسی باتوں پر مشتمل ہو اس کو ہم نبی ﷺ کی طرف منسوب کرنے پر صرف اس لئے اصرار کریں کہ اس کی سند مجروح نہیں ہے۔ اس طرح کی افراط پسندیاں معاملے کو بگاڑ کر اس تفریط تک نوبت پہنچا دیتی ہیں جس کا مظاہرہ منکرین حدیث کر رہے ہیں کیا یہ مذکورہ

الفاظ بھی کسی حد تک قابل قبول ہیں۔ اگر نہیں تو کوئی ثبوت؟ مجھے یہ سمجھ نہیں آتی۔ کہ کسی روایت کی سند کو قوی تصور کر کے بھی قبول نہ کرنا کوئی معنی رکھتا ہے۔ سند کے قوی ہونے کے بعد تو چھان بین کرنے کا مطلب اس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ صاحب قرآن کے الفاظ پر جرح ہو جو میرے خیال میں کسی طرح بھی جائز نہیں آپ برائے مہربانی مفصل طور پر سمجھائیں کہ سند کے قوی ہونے کے باوجود کون سے ایسے اسباب ہو سکتے ہیں جن کی وجہ سے ایک متن غلط صورت میں نقل ہو جاتا ہے۔

بخاری و مسلم کے قطعی طور پر صحیح ہونے پر امت کا اجماع ہے مگر ان کے متعلق بھی ایسے الفاظ استعمال کرنا کیا ان کی عظمت پر چوٹ نہیں؟

والسلام

فضل حق قریشی ہاشمی۔ کلرک محکمہ بہبودی حیوانات میانوالی۔

نوٹ: اس استفتاء کا جواب پہلے مورخہ ۱۳۷۵/۱/۲۹ھ ۱۹۵۵/۹/۱۸ء بروز اتوار شائع ہو چکا ہے مگر بعض احباب نے کہا جیسے سوال واضح ہے ایسے جواب واضح نہیں اس لئے اب جواب میں ذرا وضاحت کر دی گئی ہے۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت میاں فضل حق صاحب اسلام علیکم ورحمۃ اللہ

لفافہ ملا۔ آئندہ سوالات کی دو نقلیں بھیجا کریں کیونکہ ایک ہمارے ریکارڈ میں رہتی ہے دیگر عرض یہ ہے کہ میں عدیم الفرصت آدمی ہوں تفصیلی جواب سے معذور ہوں مختصر جواب یہ ہے کہ اہلسنت کے کسی فرقے کا یہ مذہب نہیں ہے کہ روایت اور درایت کا درجہ مساوی ہے

احناف اور قیاس:۔

بلکہ حنفیہ تو ضعیف حدیث کو بھی قیاس پر ترجیح دیتے ہیں جیسے حنفیہ کے نزدیک قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے حالانکہ قیاس چاہتا ہے کہ وضو نہ ٹوٹے کیونکہ ان کے نزدیک نجس شے کے نکلنے سے وضو ٹوٹتا ہے جیسے نکسیر پھوٹنا، قے ہونا وغیرہ اور قہقہہ تو کوئی نجس شے نہیں اس سے وضو ٹوٹنا قیاس کے خلاف ہے اور دلیل اس کی ایک ضعیف حدیث پیش کرتے ہیں۔ کہ صحابہؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے ایک نابینا گڑھے میں گر پڑا اصحابہؓ دیکھ کر ہنس پڑے رسول اللہ ﷺ نے انکو وضو لوٹانے کا حکم دیا۔ (حاشیہ ھدایہ اولین صفحہ ۲۷)

اسی طرح حنفیہ کا مذہب ہے کہ کھجوروں کے شربت سے وضو جائز ہے اور دلیل اس کی ایک ضعیف حدیث پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کھجوروں کے شربت سے وضو کیا حالانکہ یہ بھی قیاس کے خلاف ہے ایسی طہارتوں کیلئے خدا تعالی

نے پانی مقرر کیا ہے اور شربتوں کا حکم پانی کا نہیں ورنہ دوسرے شربتوں، شربت بنفشہ وغیرہ سے بھی وضو جائز ہوتا۔

غرض ایسے بہت سے مقامات ہیں جہاں حنفیہ نے ضعیف حدیث کی وجہ سے قیاس ترک کر دیا ہے۔

حدیث رسولؐ اور مودودی ذوق سلیم:۔

رہا عیسیٰ بن ابان کا مذہب تو اس کو بھی مودودی کے نظریہ سے کوئی تعلق نہیں. مودودی کا نظریہ یہ ہے کہ ذوق سے صحیح حدیث کی تردید ہو سکتی ہے۔ اور ذوق کی تشریح آپ نے یوں کی ہے کہ متن حدیث کی قباحت پکار رہی ہو کہ یہ باتیں نبی ﷺ کی فرمائی ہوئی نہیں۔ جیسے منکرین حدیث مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اور عیسیٰ بن ابان کا نظریہ یہ ہے کہ عام آیتوں حدیثوں سے جو ایک عام اصول ثابت ہو وہ برقرار رکھا جائے۔ اور کسی خاص حدیث سے جو مسئلہ اس عام اصول کے خلاف ثابت ہو اس کو ترک کر دیا جائے گا مگر اس میں یہ بھی شرط ہے کہ اس خاص حدیث کا راوی غیر فقیہ ہو جیسے ابو ہریرہؓ اور انسؓ وغیرہ۔

اگر راوی فقیہ ہو تو پھر یہاں عام اصول ترک کر کے اسی خاص حدیث پر عمل ہوگا۔

عام اصول کی مثال انہوں نے یہ دی ہے کہ کسی کی شے تلف ہو جائے اور وہ بھرنی پڑے تو اس کا بازاری نرخ لگا کر قیمت دے دی جاتی ہے عام طور پر قرآن و حدیث کی ہدایت یہی ہے مگر ایک خاص حدیث اس کے خلاف آئی ہے وہ یہ کہ کئی لوگ لیاری فروخت کرتے ہیں تو ایک دو دن پہلے اس کا دودھ دوھنا بند کر دیتے ہیں تاکہ

دودھ زیادہ معلوم ہو۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ایسی لیاری کے خریدار کو اختیار ہے کہ تین دن دودھ دوھ کر دیکھ لے اگر دودھ کم ہو جائے تو اس کو واپس کر سکتا ہے مگر تین دن کے دودھ کے عوض کھجوروں کا ایک صاع ساتھ دے۔

حالانکہ قیاس چاہتا ہے کہ دودھ کی بازاری قیمت اس وقت کے لحاظ سے لگا کر دے دی جائے اس حدیث کے راوی ابو ہریرہؓ ہیں ان کو غیر فقیہ بنا کر اس عام اصول کی آڑ لے کر ان کی اس حدیث کو ٹالنے کی کوشش کی جاتی ہے یہ عیسیٰ ابن ابان کا مذہب ہے مگر عیسیٰ بن ابان پر اہل سنت کے تمام فرقوں کی طرف سے اعتراضات کی اتنی بوچھاڑ ہوئی کہ اس کا ناطقہ بند کر دیا۔

خود حنفیہ نے اس کے چھکے چھڑا دیئے چنانچہ فیض الباری شرح بخاری میں مولانا انور شاہ کشمیری جلد ۳ ص ۲۴۰-۲۴۱ اور امام ابن الہمام مع اس کی شرح ابن امیر الحاج باب السنۃ وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

ابن ابان پر تردید کے پہلو:۔

اس کے علاوہ دوسرے علماء نے بھی خوب تردید کی ہے تردید کے کئی پہلو ہیں

۱. مثلاً ابوھریرہؓ اور انسؓ ایسوں کو غیر فقیہ کہنا یہ واقعہ کے خلاف اور سراسر ظلم ہے کیونکہ یہ مفتی تھے اور مفتی غیر فقیہ نہیں ہوتا۔

۲. ابوالدرداؓ سے روایت ہے کہ جو چالیس حدیثیں یاد کر لے اس کو خدا قیامت کے دن فقیہ اٹھائے گا۔ (مشکوۃ باب العلم ص ۳۶ الفصل الثالث)

اسی بناء پر ہر مذہب کے علماء نے چالیس چالیس احادیث کے اربعین کے نام سے رسائل لکھتے ہیں تا کہ شائقین آسانی سے حفظ کر کے یہ درجہ پا سکیں۔ اور ابوھریرہؓ اور انسؓ کی احادیث تو سینکڑوں بلکہ ہزاروں تک پہنچ گئی ہیں۔

تلقیح ابن الجوزی وغیرہ میں ابوھریرہؓ کی تعداد ۵۳۷۴ لکھی ہے اور حضرت انسؓ کی ۲۲۸۶ تو پھر ان کو غیر فقیہ کہنا بڑا ظلم ہے۔

۳. غیر فقیہ سے اگر یہ مراد ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بات کا مطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے روایت میں غلطی کر جاتا ہے تو یہ چدر والی حدیث کے خلاف ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ جو چدر بچھا کر مجلس برخاست ہونے کے بعد اکٹھی کر کے چھاتی سے لگالے وہ کبھی نہیں بھولے گا۔ ابوھریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے چدر چھاتی سے لگالی اس کے بعد میں کبھی نہیں بھولا۔

۴. متواتر احادیث کے علاوہ سب احادیث خبر آحاد ہیں جن کو ظنی کہتے ہیں اور ظنی وہی ہے جس میں غلطی ممکن ہے پس اس طرح ہر صحابی کی حدیث رد ہو سکتی ہے خواہ ابوھریرہؓ ہوں یا کوئی اور۔

۵. لیاری کے مسئلہ کے متعلق عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی یہی مروی ہے جو ابوھریرہؓ سے ہے اس سے لازم آیا کہ عبداللہ بن مسعودؓ بھی غیر فقیہ ہیں حالانکہ کتب فقہ میں لکھا ہے کہ فقہ کا مدار انہی پر ہے۔

۶. غلام کی قیمت بازار میں کم و بیش ہے اسی طرح اس کے اعضا کی قیمت کم و بیش ہے اس بناء پر اگر کوئی قتل ہو جائے یا اس کے کسی عضو کا نقصان ہو جائے تو اس کی قیمت اسی حساب سے ہونی چاہئے۔ حالانکہ شریعت میں سو اونٹ وغیرہ مقرر ہیں اسی

طرح اور کئی مقام ہیں جہاں شرع نے حد بندی کر دی ہے تو یہ بھی غلط ہونا چاہئے غرض عیسیٰ بن ابان پر اس قسم کے اعتراض بہت ہیں جو کتب میں درج ہیں اور رسائل کی صورت میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔

جواب نمبر۲:۔

اس سوال کا جواب اوپر آ چکا ہے کہ حنفیہ روایت کو درایت کا درجہ نہیں دیتے چنانچہ قہقہہ اور نبیذ تمر (کھجوروں کے شربت) سے وضو کی مثال گزر چکی ہے اور محدثین تو مودودی کے نظریہ سے کوسوں دور ہیں کیوں کہ اہل الرائے سے ان کو نفرت ہے تو درایت (جو رائے کی قسم سے ہے) کو روایت پر کس طرح مقدم کر سکتے ہیں۔

جرح وتعدیل کے انسانی معتبر ذرائع

جواب نمبر۳:۔

جرح تعدیل تاریخ کی قسم سے ہے اور تاریخ اس وقت کے لوگوں کی یا قریب کے لوگوں کی معتبر ہوتی ہے پچھلے لوگ نقال ہوتے ہیں اس لئے پہلے لوگوں کے خلاف کسی کی جرح تعدیل کا اعتبار نہیں اس کے لئے مقدمہ ابن الصلاح کا مطالعہ مفید رہے گا۔ انشاء اللہ۔

مودودی صاحب کو بھی اس سے انکار نہیں ہم ان کی کتاب تفہیمات وغیرہ سے چند حوالے نقل کرتے ہیں جن سے اس بات کی تصدیق ہو جائے گی کہ جرح اور تنقید کا سلسلہ اب نئے سرے سے کوئی پیدا نہیں کر سکتا جو کچھ پہلے لوگ کر گئے اسی پر ختم ہے ہاں انہی کی عبارتوں میں ہیرا پھیری چاہو کئے جاؤ۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں،

(الف) تحقیق کے زیادہ سے زیادہ معتبر ذرائع جو انسان کے امکان میں ہیں وہ سب اس گروہ محدثین نے استعمال کیے ہیں۔ اور ایسی سختی کے ساتھ استعمال کیے ہیں کہ کسی اور تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ دراصل یہی چیز اس امر کا یقین دلاتی ہے کہ اس عظیم الشان خدمت میں اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال رہی ہے اور جس نے اپنی آخری کتاب کی حفاظت کا غیر معمولی انتظام کیا ہے اس نے اپنے آخری نبی کے نقوش قدم اور آثار ہدایت کے لئے بھی وہ انتظام کیا ہے جو اپنی نظیر آپ ہی ہے۔

(تفہیمات حصہ اول ص ۳۵۵)

(ب) دنیا میں زمانہ گزشتہ کے حالات کا کوئی ذخیرہ اتنا مستند نہیں جتنا کہ حدیث کا ذخیرہ مستند ہے۔ (تفہیمات حصہ اول ص ۳۲۱)

(ج) کتب حدیث صحاح ستہ وغیرہ میں اس امر میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ کتابیں انہی بزرگوں کی لکھی ہوئی ہیں نہ اس میں شبہ ہے کہ ہر حدیث کی سند رسول اللہ ﷺ تک پہنچی ہے یا نہ؟ لہذا ان کتابوں کے ذریعہ سے حدیث کا وہ علم قریب قریب یقینی طور پر ہم تک پہنچ گیا ہے۔

(ترجمان القرآن جون ۱۹۳۴ء و تفہیمات حصہ اول ص ۳۴۷)

(د) اگر روایات حدیث نہ ہوتیں تو ہماری مذہبی زندگی کے جتنے اعمال اور جتنے اصول وقوانین ہیں یہ سب کے سب بے سند ہو کر رہ جاتے ہیں نماز روزہ حج زکوۃ اور دوسرے اعمال جس صورت میں ادا کیے جاتے ہیں ان کے متعلق ہم نہ بتا سکتے اور نہ خود جان سکتے کہ یہ سب رسول اللہ ﷺ کے مقرر کیے ہوئے طریقوں پر ہیں۔

(تفہیمات حصہ اول ص ۳۳۰، ۳۳۱)

مودودی صاحب نے تصریح کر دی ہے کہ انسانی امکان میں جتنے معتبر ذرائع ہیں وہ سب محدثین نے استعمال کر لئے ہیں اور اسی لئے یہ ذخیرہ سب دوسرے تاریخی ذخیروں سے زیادہ مستند ہے یہاں تک کہ یہ آپ ہی اپنی نظیر ہے اور اب اس میں کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں۔ نہ اس میں شبہ ہے کہ یہ کتابیں صحاح ستہ وغیرہ انہی بزرگوں کی لکھی ہوئی ہیں نہ اس میں شبہ ہے کہ ہر حدیث کی سند رسول اللہ ﷺ تک پہنچی ہے لہذا یہ علم حدیث قریب قریب یقینی طور پر ہم تک پہنچ گیا، اب اس پر کوئی جرح یا تنقید کرے تو وہ انسانی امکان سے بالاتر ہو کر کر سکتا ہے اور وہ منصب وحی ہے اور وحی کا سلسلہ چونکہ بند ہے اس لئے جرح تنقید کا معاملہ بھی ختم ہے اس بنا پر سائل کا یہ کہنا بالکل ٹھیک ہے کہ سند کے قوی ہونے کے بعد تو چھان بین کرنے کا مطلب اس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ صاحب قرآن کے الفاظ پر جرح ہو جو میرے خیال میں کسی طرح بھی جائز نہیں۔

سائل نے جس خیال کا اظہار کیا ہے اہل سنت کا موقف تو یہی ہے یہاں پہنچ کر وہ اپنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور سر تسلیم خم کر دیتے ہیں اور **آمنا و صدقنا** کہتے ہوئے تعمیل حکم کے میدان میں اتر آتے ہیں لیکن مودودی صاحب کی گڈی چونکہ آج کل چڑھی ہوئی ہے اور ان کی درایت ذرا زیادہ بلندی پر پرواز کر رہی ہے اس لئے وہ سند کے قوی ہونے کے بعد بھی کئی طرح کے خدشات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ جیسے اول قاگس نے کہا تھا ''**خلقتنی من نار و خلقته من طین**'' مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے تو میرا سجدہ اس کے لئے سراسر درایت کے خلاف ہے۔ چنانچہ جواب نمبر ۴ میں اس کی کچھ وضاحت آتی ہے۔

مولانا مودودی اور انکار حدیث

جواب نمبر۴:۔

مودودی صاحب نے جس انداز سے بحث کی ہے یہ منکرین حدیث کا انداز ہے عیسیٰ بن ابان کا بھی یہ انداز نہیں ، چنانچہ نمبر 1 میں بیان ہو چکا ہے مودودی کا صرف یہی گمراہ کن اصول نہیں ، بلکہ دین سے متعلق ان کا قریباً سارا سلسلہ ہی گمراہ کن ہے احادیث کو آپس میں اور قرآن شریف کے ساتھ ٹکرانا اور ان میں اختلاف پیدا کر کے ان کی قدر گرانا اور پھر ان کی تردید کرنا یہ ان کی عام عادت ہے اس کے علاوہ حجامت اور لباس کے متعلق جو احادیث آئی ہیں ان کے متعلق محدثین پر سخت حملہ کیا ہے کہ وہ انکا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکے ، لباس وضع قطع شریعت میں داخل نہیں بلکہ عادات کی قسم سے ہیں۔

محدثین نے ان کو شریعت قرار دینے میں غلطی کی ہے ایسے ہی دجال وغیرہ کی احادیث میں رسول اللہ ﷺ کو غلطی پر کہتا ہے ۔ کہ آپؐ معاذ اللہ دجال کو نہیں سمجھے ، گویا قریب قریب مرزائیوں والا خیال ہے بلکہ ان سے بھی ترقی کر گئے ہیں ۔

چنانچہ مودودی کے اصل الفاظ جو حدیث دجال ذکر کر کے لکھتے ہیں یہ ہیں ۔

کانا دجال تو افسانے ہیں جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ۔

(ترجمان القرآن جلد ۲۷ نمبر ۳ ص ۱۸۶)

تمیم داری کی حدیث میں حضور ﷺ نے ایک معین شخص کو دجال فرمایا ہے اس کے متعلق مودودی صاحب لکھتے ہیں ۔

”کیا تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ حضورؐ کا یہ اندیشہ صحیح نہ تھا“

(ملاحظہ ہو ترجمان القرآن جلد ۲۸ نمبر ۳ ص ۱۷۲،۱۷۳ بابت ربیع الاول ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۴۶ء)

نیز تمیم داری کی [1] حدیث میں حضور ﷺ نے دجال کے نکلنے کی جہت معین کردی ہے کہ مشرق کی جانب سے نکلے گا اور علاقوں کا نام مبہم کردیا ہے اور بعض احادیث میں خراسان اصفہان کا نام بھی آیا ہے اور تمیم داری کی حدیث میں جس معین شخص کو آپؐ نے دجال قرار دیا ہے وہ ایک جزیرہ میں مقید تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضور ﷺ کے زمانے میں پیدا ہو چکا ہے مگر مودودی صاحب دجال کے متعلق اس قسم کی احادیث کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں جن کے بارہ میں آپ ﷺ خود شک میں تھے۔(حوالہ مذکورہ)

غرض اس قسم کی خرافات بہت ہیں جن کو سن کر یا دیکھ کر ایک مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اس کی تحریر اور چرب زبانی پر فریفتہ نہیں ہونا چاہئے اس کا لٹریچر اسلام اور شریعت مطہرہ کے لئے سخت خطرناک ہے خدا اس سے بچائے اور اپنے دین کی حفاظت کرے آمین۔

مولانا مودودی کی درایت کے راستے:۔

یہ جواب تقریباً پہلی اشاعت میں دیا گیا ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ سند کے قوی ہونے کے بعد بھی مودودی صاحب کی درایت کیلئے پانچ راستے کھلے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

پہلا راستہ:۔

محدثین اور فقہاء کے فہم پر حملہ ہے قرآن مجید میں ہے جو مومنوں کا راستہ

---

[1] مشکوٰۃ ص ۴۷۵ باب العلامات بین یدی الساعۃ

چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرے نولہ ما تولی ونصلہ جھنم وساء ت مصیرا

(پ۵ النساء)

اس کو ہم پھیر دیتے ہیں جدھر پھرے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے لا یجمع امتی علی الضلالۃ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی بلکہ ایک نہ ایک فرقہ ضرور حق پر رہے گا۔

(مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنہ فصل ثانی ص ۳۰)

عادات نبویؐ اور مودودیت:۔

اور ظاہر ہے کہ وہ محدثین وفقہا ہیں لیکن مودودی صاحب کا خیال ہے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ سب گمراہ ہوں اور میں حق پر ہوں چنانچہ مودودی صاحب کا خیال ہے کہ محدثین وفقہانے عادات نبوی کو سنت سمجھ کر اس بارے میں احادیث جمع کیں یہ انہوں نے غلط رویہ اختیار کیا ہے کیوں کہ یہ کوئی شرعی چیز نہیں جس کی اتباع کے ہم مامور ہیں۔

چنانچہ مودودی کے اصل الفاظ یہ ہیں میں اسوہ اور سنت اور بدعت وغیرہ اصطلاحات کے ان مفہومات کو غلط بلکہ دین میں تحریف کا موجب سمجھتا ہوں جو بالعموم آپ حضرات کے ہاں رائج ہیں۔ (رسالہ ترجمان القرآن مئی جون ۱۹۴۵ء)

یہ آپ کے تمہیدی الفاظ ہیں اس کے آگے آپ اس کی تمثیل داڑھی سے شروع کرتے ہیں لکھتے ہیں" آپ کا یہ خیال کہ نبی ﷺ جتنی بڑی داڑھی رکھتے تھے اتنی ہی بڑی داڑھی رکھنا سنت رسول ہے یا اسوہ (پیروی) رسول ہے یہ معنی رکھتا ہے کہ

آپ عادات رسول کو بعینہ وہ سنت سمجھتے ہیں جس کے جاری اور قائم کرنے کے لئے نبی ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام مبعوث کئے جاتے رہے ہیں۔

مگر میرے نزدیک یہی نہیں کہ یہ سنت کی صحیح تعریف نہیں ہے بلکہ میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا اور پھر ان کے اتباع پر اصرار کرنا ایک سخت قسم کی بدعت اور خطرناک تحریف دین ہے۔ (حوالہ مذکورہ)

قارئین کرام! ہم تو داڑھی (۱) کے مسئلہ میں خلاف رسول کرنے والے کو برا بھلا کہتے ہیں یہاں الٹا چور کوتوال کو ڈانٹنے والا حساب ہے اور پھر اتنے پر بس نہیں بلکہ عمومیت کے ساتھ اس قسم کی تمام چیزوں کو سخت قسم کی بدعت اور خطرناک تحریف دین بتلایا جارہا ہے اس بنا پر انسان آزاد ہے جس قسم کی چاہے حجامت بنوائے جیسی وضع قطع چاہے اختیار کرے انگریزی بال رکھے لباس ہیٹ پتلون وغیرہ زیب تن کرے۔ شلوار یا تہ بند ٹخنوں سے نیچے رکھے یا اوپر کسی چیز میں کفار یا فساق فجار کے ساتھ مشابہ ہو اس کی بھی اجازت ہے فطرت اور سنت انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کا بھی کوئی حرج نہیں۔

فطرت اسلام:۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دس باتیں فطرت (اسلام) سے ہیں۔ لبیں کٹانا داڑھیاں چھوڑنا، مسواک کرنا، وضو کے وقت ناک میں پانی چڑھانا، ناخن کٹوانا، وضو کے وقت انگلیوں کے جوڑ دھونا، بغلیں اکھیڑنا، زیر ناف بال لینا، استنجا کرنا،

---

(۱) داڑھی کا مسئلہ ہم نے الگ ٹریکٹ کی صورت میں شائع کیا ہے جو اس کے متعلق پورے معلومات حاصل کرنا چاہیں۔

وضو کے وقت کرلی کرنا، ایک حدیث میں داڑھی کی جگہ ختنہ کرنے کا ذکر ہے اور ترمذی میں حدیث ہے آپ نے فرمایا چار چیزیں رسولوں کی سنتوں سے ہیں۔ حیا، ختنہ، مسواک، نکاح،

اگر کوئی صاحب جذبہ سنت کے تحت ان چیزوں کی پابندی اور اصرار کرے تو یہ مودودی صاحب کے نزدیک سخت ترین بدعت اور خطرناک تحریف دین ہوگی۔

اسکے علاوہ کھانے پینے کے آداب مثلاً بسم اللہ پڑھ کر شروع کرنا الحمد پر ختم کرنا، دائیں ہاتھ سے کھانا پینا اور اپنے آگے سے کھانا کھاتے وقت کسی چیز پر ٹیک نہ لگانا، پینے کے وقت پینے کی چیز میں سانس نہ لینا پھونک نہ مارنا کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا اور فارغ ہوکر ہاتھ چاٹ کر یا کسی بچے وغیرہ کو چٹا کر دھونا کھانے کا برتن چاٹ کر صاف کرنا، اگر کھانے سے کوئی چیز نیچے گر جائے تو اس کو صاف کر کے کھالینا اور اس کو شیطان کیلئے نہ چھوڑنا، دانتوں میں کوئی شے خلال سے نکالے تو اس کو تھوک دینا اور زبان سے نکل آئے تو اس کو نگل جانا تین انگلیوں سے کھانا وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح پیشاب پاخانہ کے آداب، گفتگو اور سلام کلام کے آداب علی ہذا القیاس بیٹھنا اٹھنا، سونا جاگنا، اس قسم کے سینکڑوں شعبے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی بکثرت ہدایات موجود ہیں۔

یہاں تک کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں میں تمہارے لئے بمنزلہ والد کے ہوں تمہیں تعلیم دیتا ہوں قضا حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ نہ کرو پیٹھ نہ کرو اور استنجا کے لئے تین ڈھیلوں کا امر فرمایا لید اور ہڈی سے استنجا منع فرمایا اور دائیں ہاتھ سے بھی استنجا منع فرمایا۔ (مشکوۃ وغیرہ)

مودودی صاحب نے بیک جنبش قلم ان تمام دفتروں پر پانی پھیر دیا بلکہ اتباع رسول سمجھ کر ان پر ہمیشگی اور اصرار کرنے والے کو سخت قسم کا بدعتی اور دین الٰہی کا خطرناک محرف قرار دیا۔

قارئین کرام! آپ کو معلوم ہے کہ اس کی زد کہاں پڑتی ہے معاذ اللہ خیر قرون صحابہ تابعین، تبع تابعین پر بلکہ رسول ﷺ اور انبیاء علیہم السلام ایسی مبارک ہستیوں پر پڑتی ہے۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں

علاوہ ازیں اور سنئے حدیث میں ہے کہ ہر صدی کے سرے پر مجدد ہوں گے جو دین کی تجدید کریں گے۔ اور مری ہوئی سنتوں کو زندہ کریں گے۔

مودودی صاحب نے جہاں سنت بدعت کا معنی بدلا ہے وہاں مجدد کے معنی پر بھی ہاتھ صاف کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ اس حدیث کو اپنے اوپر چسپاں کریں اس سلسلہ میں مولانا فیض انبالوی صاحب نے "مولانا مودودی مجدد کامل بننا چاہتے ہیں" کے عنوان سے دو ورقہ شائع کیا ہے ہم چاہتے ہیں کہ وہ یہاں من وعن نقل کردیں۔ اس میں مجدد کے عجیب وغریب معنے بیان کئے ہیں جو آج تک کسی کے دماغ میں نہیں آئے اور نہ ان معنی سے کوئی کمال کو پہنچا ہے صرف مودودی صاحب پر امید کی جاسکتی ہے انا للہ

فیض انبالوی لکھتے ہیں:۔

جو حضرات جماعت اسلامی کی حقیقی غرض وغایت سے اگاہی حاصل کرنا

چاہتے ہیں انکا فرض ہے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تالیف تجدید وحیائے دین کا بہ نگاہ غائر مطالعہ کریں۔ان پر عیاں ہو جائے گا کہ مولانا کیا بننا چاہتے ہیں؟ حسب تحریر مولانا کا مقام کیا ہے؟ ہم اس پر عام فہم تبصرہ کسی فرصت میں کریں گے سردست مولانا کی متذکرہ تالیف کے چند معنی خیز اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

مولانا لکھتے ہیں:۔

تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کوئی مجدد کامل پیدا نہیں ہوا ہے قریب تھا کہ عمر بن عبدالعزیز اس منصب پر فائز ہو جاتے مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے ان کے بعد جتنے مجدد پیدا ہوئے ان میں سے ہر ایک نے کسی خاص شعبے یا چند شعبوں ہی میں کام کیا مجدد کامل کا مقام ابھی تک خالی ہے مگر عقل چاہتی ہے فطرت مطالبہ کرتی ہے اور دنیا کے حالات کی رفتار متقاضی ہے کہ کوئی ایسا لیڈر پیدا ہو خواہ اس دور میں پیدا ہو یا زمانے کی ہزار گردشوں کے بعد پیدا ہو اس کا نام الامام المہدی ہے۔

(صفحہ ۴۱ عنوان مجدد کامل کا مقام سطر ۱،۲،۳،۴،۵)

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ ابھی تک کوئی کامل مجدد پیدا نہیں ہوا وہ پیدا ہوگا زمانہ کہہ رہا ہے کہ وہ پیدا ہو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جو عمر ثانی کہلاتے ہیں اور مولانا بھی صفحہ ۲۸ پر انہیں عمر ثانی تحریر فرماتے ہیں وہ بھی مجدد کامل نہیں تھے۔

۲۔الامام المہدی:۔

مولانا فرماتے ہیں:۔

مسلمانوں میں جو لوگ الامام المہدی کی آمد کے قائل ہیں وہ بھی ان

مجتہدین سے جو اس کے قائل نہیں۔ اپنی غلط فہمیوں میں کچھ پیچھے نہیں ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ الامام المہدی کوئی اگلے وقتوں کے مولویانہ وصوفیانہ وضع قطع کے آدمی ہوں گے۔

(صفحہ ۳۲ سطر ۱۲، ۱۳، ۱۴)

۳. جدید ترین طرز کا لیڈر:۔

مجھ کو معاملہ بالکل برعکس نظر آتا ہے میرا اندازہ یہ ہے کہ آنے والا اپنے زمانہ میں بالکل جدید ترین طرز کا لیڈر رہوگا۔ (صفحہ ۳۳ سطر پہلی)

وہ اپنے عہد کے تمام جدیدوں سے بڑھ کر جدیدی ثابت ہوگا۔ (صفحہ ۳۳ سطر ۴)

نہ میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپنے مہدی ہونے کا اعلان کرے گا بلکہ شاید اسے خود بھی اپنے مہدی موعود ہونے کی خبر نہ ہوگی۔ (صفحہ ۳۳ سطر ۷)

۴. تحریک:۔

وہ خالص اسلام کی بنیادوں پر ایک نیا مذہب فکر (School of thought) پیدا کرے گا۔ ذہنیتوں کو بدلے گا ایک زبردست تحریک اٹھائے گا جو بیک وقت تہذیبی بھی ہوگی اور سیاسی بھی جاہلیت اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ اس کو کچلنے کی کوشش کرے گی۔ مگر بالآخر جاہلی اقتدار کو الٹ کر پھینک دے گی اور ایک ایسی زبردست اسلامی اسٹیٹ قائم کرے گی۔ (صفحہ ۳۳ سطر ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸)

۵. جزوی مجدد دین:۔

مولانا کا اجتہاد یہ ہے کہ،

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت

امام مالکؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ، حضرات امام غزالیؒ، علامہ ابن تیمیہؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ سب جزوی مجددین تھے۔ ان تمام بزرگوں کا تذکرہ آپ نے صفحہ ۳۳ سے شروع کیا ہے اور اس کی سرخی تجویز کی ہے۔ ''جزوی مجددین اور ان کا کام''

۶ ہمہ گیر اسلامی تحریک:۔

مولانا رقمطراز ہیں،

تجدید دین کے لئے صرف علوم دینیہ کا احیاء اور اتباع شریعت کی روح کو تازہ کر دینا ہی کافی نہیں ہے۔ بلکہ ایک جامع اور ہمہ گیر اسلامی تحریک کی ضرورت ہے

(صفحہ ۷۹ سطر ۱۳، ۱۴)

۷. اہل اصلاح:۔

مولانا کا دعویٰ یہ ہے کہ،

اس پر ایمان لانا یا نہ لانا کا کوئی سوال نہیں ہوتا۔ اس زمانہ کے تمام اہل اصلاح و خیر رفتہ رفتہ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ (صفحہ ۲۹ سطر ۹، ۱۰)

پڑھ لیا آپ نے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے لے کر اس وقت تک کوئی مجدد کامل نہیں آیا جو آئے سب جزوی مجدد آئے قوم رو رہی تھی۔ کہ مرزا قادیانی نے جزوی نبوت کی اصطلاح کہاں سے نکالی انہیں یہ بھی سوچنا ہے کہ مولانا مودودی کے اجتہاد نے جزوی مجدد کی اصطلاح وضع فرمائی ہے مجدد کامل کیلئے زمانہ پکار رہا ہے مجدد کامل محض دین کی تجدید نہیں کرے گا بلکہ ایک عظیم الشان اسلامی تحریک کا بانی ہوگا۔

کرشمہ دامن دل مے کشد کہ جا ایں جاست

سوچا یہ جس مجدد کامل کے اوصاف بیان ہو رہے ہیں وہ کون ہیں؟ وہ کیا کریں گے ایک تحریک چلائیں گے جو ان میں شامل ہوں گے وہ کہلائیں گے اہل اصلاح جل جلالہ ۔

بت کریں آرزو خدائی کی
شان ہے تیری کبریائی کی

مولانا فیض انبالوی
موتمر عالم اسلامی لاہور

دوسرا راستہ:۔

مودودی صاحب کی درایت فلسفیانہ عقل ہے فلسفیانہ عقل کا ایمان بالغیب بہت کمزور ہوتا ہے وہ اسی کو مانتی ہے جو اس میں سما سکے جو اس سے بالاتر ہو اس میں اس کا رجحان دو چیزوں کی طرف ہوتا ہے یا سرے سے انکار یا تاویل و تحریف پھر اس میں دو طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں ایک وہ جو زیادہ غلو کر جاتے ہیں جیسے سید احمد نیچری نے تفسیر لکھی تو قرآن مجید کے تمام معجزات و خرق عادات کی تاویل کر ڈالی۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا عصا کے ساتھ پتھر کو مارنا اور اس سے ۱۲ چشمے پھوٹ پڑنا کا مطلب یہ بیان کیا کہ عصا ٹیک کر پہاڑوں میں چلے کہیں اتفاقاً بارہ چشمے مل گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے معراج کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو خواب میں سیر کرائی گئی ملائکہ اور شیاطین سے مراد نیک اخلاق اور بداخلاق ہیں یہاں تک کہ جنت اور دوزخ بھی روحانی معاملہ ہے روحوں کی خوشی اور تکلیف ہی جنت و دوزخ ہے عام دنیا کا جو خیال ہے کہ جسموں کے ساتھ قبروں سے اٹھیں گے میدان محشر میں جمع ہوں گے حساب و کتاب ہوگا اعمال تولے جائیں گے پل صراط پر سے گزریں گے کوئی دوزخ میں جائے گا جس میں آگ فراٹے مارتی ہے جو دنیا کی آگ سے سو گنا بڑھ کر تیز ہے اور جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔ پھر باوجود اتنی تیزی کے اس میں تو ہر کا سرسبز درخت قائم ہے جو دوزخیوں کی خوراک ہے اور اس میں بیڑیاں اور زنجیر ہیں جن میں دوزخی جکڑے جائیں گے۔ سانپ اور بچھو ہیں جو پہاڑ کو کاٹیں تو پانی ہو کر بہہ جائے اس قسم

کے کئی طرح کے عذاب ہیں اس کے مقابلہ میں خدا کی رحمت کی جگہ جنت ہے اس میں سونے چاندی کے مکان ہیں دودھ شہد کی نہریں جاری ہیں کھانے کے لئے پرندوں وغیرہ کا گوشت اور ہر قسم کے پھل فروٹ ہیں۔ خدمت کے لئے غلام ہیں انس اور محبت کے لئے حوریں اور دنیا کی نیک عورتیں ہیں یہاں تک کہ آخری نعمت خدا کا دیدار اور ہمیشہ کیلئے رضائے الٰہی ہے اس قسم کا تمام سلسلہ نیچری کے نزدیک سطحی لوگوں کا عقیدہ ہے جو لکیر کے فقیر ہیں۔ بلکہ نیچری نے یہاں تک غلو کیا ہے کہ عام خیال کے مطابق جنت کو چکلہ سے تشبیہ دی ہے باقی رہا برزخی معاملہ اور قبر کا عذاب اور قیامت سے پہلے کے نشانات جیسے سورج کا مغرب سے چڑھنا اور دابۃ الارض کا زمین سے نکلنا۔ اور نزول مسیح وغیرہ یہ تو نیچری کے نزدیک کسی گنتی ہی میں نہیں۔ اس قسم کی تمام خرق عادت سے یکلخت انکار ہے۔

دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو اتنے غلو میں تو نہیں گئے لیکن وہ آدھا تیتر آدھا بٹیر بنے رہتے ہیں۔ جیسے مرزائی وغیرہ مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کا جسم سمیت اٹھائے جانا اس کو نہیں مانتے پھر ان کا دو فرشتوں کے کندھوں پر آسمان سے نزول پھر مشرقی منارہ دمشق سے سیڑھی لگا کر زمین پر آنا اس سے بھی انکار ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام کے سانس ہی سے کافر مر جائیں گے اور سانس انکا وہاں تک پہنچے گا جہاں ان کی نظر پہنچے گی ان سب باتوں سے فلسفیانہ عقل والے منکر ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا معراج جسمانی ابراہیم علیہ السلام کے پرندوں کا ذبح ہو کر زندہ ہونا داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہے کا موم ہونا صالح علیہ السلام کی اونٹنی دس ماہ کی حاملہ کا پتھر سے پیدا ہونا مریم علیہ السلام کے پاس بے موسم پھلوں کا آنا موسیٰ علیہ السلام کا ملک الموت کی آنکھ [1] پھوڑنا مائی حوا علیہا السلام کا حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہونا اس قسم کی بہت سی باتیں ہیں جن سے کہیں صریح انکار ہے کہیں تحریف وتاویل کا دور دورہ ہے موسیٰ علیہ السلام جب خضر علیہ السلام کی ملاقات کو گئے تو مردہ مچھلی ساتھ لے گئے جوان کا خرچ سفر بھی تھی اور نشانی بھی تھی جب وہاں پہنچے تو زندہ ہو کر پانی میں داخل ہوگئی اور جہاں جہاں گئی پانی آپس میں نہیں ملتا تھا بلکہ اس میں سرنگ کی شکل بن گئی جیسے بخاری ومسلم وغیرہ اور عام تفاسیر میں ہے کئی لوگ اس سے بھی منکر ہیں دجال کے متعلق بکثرت احادیث موجود ہیں جن میں بہت سی خرق عادات مذکور ہیں مثلاً اس کے ساتھ جنت دوزخ ہوگا مگر درحقیقت دوزخ جنت ہوگا اور جنت دوزخ اور اس کے حکم سے آسمان سے بارش ہوگی زمین سے انگوریاں اگیں گی مردے زندہ ہوں گے زمین کے خزانے اس کے پیچھے لگیں گے جس گدھے پر سوار ہوگا وہ اتنا بڑا ہوگا کہ اس کے دونوں کانوں کے درمیان

---

(۱) ایک صاحب نے کہا کہ یہ حدیث ذوق کے خلاف ہے اس لئے صحیح نہیں دوسرے صاحب نے جواب میں کہا کہ یہ حدیث متفق علیہ ہے یعنی باتفاق محدثین دفقیا صحیح ہے کسی نے اس پر تنقید نہیں کی کیا وہ سب بے ذوق تھے اس پر وہ بھونچکا رہ گیا۔ سو اصل میں یہ لوگ غور نہیں کرتے خدا ان کو ہدایت کرے آمین ۱۲۔

ایک سو چالیس گز کا فاصلہ ہوگا چالیس دن میں زمین پر پھر جائے گا پہلا دن سال کا ہوگا دوسرا دن مہینے کا تیسرا دن ہفتے کا باقی دن باقی دنوں کے برابر اور اسی بناء پر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ لمبے دنوں میں عام دنوں کے اندازہ سے پانچ نمازیں ادا کرو۔ غرض اسی قسم کی خرق عادات دجال کی بہت ہیں جن کی بناء پر وہ لوگوں سے اپنا اب ہونا منوائے گا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ بہت بڑا فتنہ ہے (جس سے ہر نماز میں پناہ مانگی جاتی ہے اور) اس سے ہر نبی نے ڈرایا ہے مگر میں تمہیں ایک نشان بتلاتا ہوں جو دوسرے انبیاء علیہم السلام نے نہیں بتایا وہ کانا ہوگا تمہارا رب کانا نہیں نیز اس کے ماتھے پر کافر لکھا ہوگا ہر مومن پڑھے گا خواہ پڑھا ہوا ہو یا ان پڑھ آدم سے لے کر قیامت تک اس سے بڑا کوئی فتنہ نہیں اسی کے متعلق مودودی صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ کانا دجال تو افسانے ہیں جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں اور اس سے مودودی صاحب نے اپنا راستہ صاف کر لیا ہے کہ جب کسی خرق عادت سے انکار کرنا چاہا فلسفیانہ عقل کا سہارا لے لیا اور صحیح اور قوی السند احادیث میں شکوک پیدا کرنے شروع کر دیئے۔

چنانچہ سائل نے اپنے سوال میں مودودی صاحب کی اس قسم کی چند عبارات نقل کی ہیں جن میں صحیح احادیث کو مشکوک بنانے کی کوشش کی گئی ہے آگے چل کر ہم بھی اس قسم کی چند عبارتیں نقل کریں گے۔ انشاء اللہ

تیسرا راستہ:۔

مودودی صاحب کی درایت کا تاریخ ہے تاریخ وہ علم ہے جس سے حوادث زمانہ ماضیہ کا پتہ چلتا ہے اور ان کی ترتیب معلوم ہوتی ہے مورخ کی کوشش ہوتی ہے کہ

وہ واقعات عالم کی جستجو کرے اور ان کو اس ترتیب سے جمع کرے جس ترتیب سے وہ دنیا میں رونما ہوئے ہیں پھر آگے مورخین کے نظریے مختلف ہوتے ہیں کوئی تو صرف بادشاہوں کی تاریخ لکھتا ہے، کوئی تاریخ اعیان (بڑی شخصیتوں کی تاریخ)، کوئی تاریخ مذاہب، کوئی تاریخ اقوام، کوئی تاریخ آلسنہ وغیرہ وغیرہ پھر ان میں کئی خصوصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مثلاً تاریخ شاہان عرب، تاریخ شاہان ہند، تاریخ یونان، تاریخ بغداد وغیرہ۔

اسی طرح تاریخ اسلام، تاریخ عیسائیت، تاریخ ہندوازم وغیرہ ایسے ہی تاریخ علماء اہلحدیث، تاریخ علما احناف یا شوافع وغیرہ جن کو زیادہ تراجم سے تعبیر کرتے ہیں۔

اسی قسم سے علم اسماء الرجال ہے یعنی راویان حدیث کے حالات کا ذخیرہ لیکن ان میں محدثین نے زیادہ تر وہی حالات قلمبند کئے ہیں جن کا حدیث کے صحت وضعف سے تعلق ہے کیوں کہ اسی غرض سے وہ لکھے گئے ہیں۔

علم اسماء الرجال کی تدوین کی وجوہ

اور جو کچھ انہوں نے قلم بند کیا اس سے زیادہ کوئی قلم بند نہیں کر سکتا اسماء الرجال کے علم کو مدون کرنیکی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ یہ تاریخ کا حصہ ہے اور تاریخ میں اس وقت کے لوگوں نے یا قریب کے لوگوں نے حوادث زمانہ کا جو کچھ ذخیرہ جمع کیا ہوتا ہے پچھلے لوگوں کے لئے صرف وہی ذریعہ معلومات ہے اس کے بغیر براہ راست تسلی بخش کوئی ذریعہ نہیں اس لئے اسی ذخیرہ پر اعتماد کلی کرنا پڑتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ صحت وضعف کا معاملہ بڑا اہم ہے۔ اور اسی پر دین کا دارومدار ہے اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے محدثین نے اس معاملے میں انتہائی کوشش کی ہے اور اس غرض کی تکمیل کے لئے تحقیق کے زیادہ سے زیادہ معتبر ذرائع جو انسان کے امکان میں ہیں وہ سب استعمال کئے ہیں اور ایسی سختی سے استعمال کیے ہیں کہ کسی اور تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی چنانچہ مودودی صاحب کی عبارت میں ص ۹ پر گزر چکا ہے۔

اب جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمیں بھی حق حاصل ہے کہ ہم کسی متفقہ صحیح حدیث کی اسناد میں بحث کریں۔ جیسے امام دارقطنی وغیرہ نے بخاری مسلم کی بعض احادیث پر بحث کی ہے وہ دراصل ان حقائق بالا سے ناواقف ہیں وہ نہیں سمجھے کہ امام قطنی وغیرہ بھی انہی محدثین سے ہیں جن کے ہاتھ پر یہ فن پایہ تکمیل کو پہنچا ہے کیونکہ یہ اسی زمانہ کے آدمی ہیں اور جرح تعدیل کے امام ہیں اگر ان لوگوں کی آپس میں یہ بحثیں اور تبادلے خیالات نہ ہوتے تو یہ فن ادھورا رہ جاتا۔

مثلاً امام بخاری نے ایک حدیث پر حکم لگایا کہ یہ مقفقہ صحیح ہے دوسرے نے کہا کہ یہ متفقہ صحیح نہیں کیوں کہ اس کی اسناد میں فلاں عیب ہے اب اس بحث مباحثہ میں ہزاروں محدثین کی تحقیقی نظر اس حدیث پر پڑی کسی نے اعتراض کیا کسی نے اس کا جواب دیا اس چھان بین سے ایک محقق کے لئے راستہ کھل گیا کہ وہ راجح یا مرجوح معلوم کر سکے لیکن اس بحث مباحثہ سے بہت بڑا ایک نتیجہ اور نکلا وہ یہ کہ جس حدیث پر

انہوں نے اعتراض نہیں کیا اس کی صحت مستحکم ہوگئی اور وہ یقیناً صحیح قرار پائی اور سب محدثین اس کی صحت پر متفق ہوگئے کیونکہ اگر اس میں کچھ گنجائش ہوتی تو وہ بھی زیر بحث آجاتی۔

خلاصہ یہ کہ جس بحث سے یہ لوگ اپنے لئے بحث کی گنجائش نکالنا چاہتے ہیں وہی اس بات کی دلیل ہے کہ اب بحث کا خاتمہ ہوگیا کیونکہ جو حدیث بہ اتفاق محدثین صحیح ہے اس میں گنجائش کلام نہیں اور جس پر کسی امام نے جرح کی ہے اس میں ترجیح کا راستہ کھلا ہے۔

کتاب بخاری و مسلم:۔

کتاب بخاری و مسلم کا مقام چونکہ صحت میں بہت بلند ہے یہاں تک کہ ان کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ مانا گیا ہے۔ خاص کر بخاری اس میں اول نمبر ہے۔ اس لئے جو حدیث کی شان گھٹانا چاہتا ہے وہ ان دونوں بالخصوص بخاری کو نشانہ بنا لیتا ہے تا کہ ان کی شان گھٹنے سے سارا فن حدیث ہی کمزور ہو جائے مگر جس کو خدا بڑھائے اس کو کون گھٹائے جو خدا موسیٰ کو فرعون کی گود میں پال سکتا ہے وہ زہر سے تریاق کا کام بھی لے سکتا ہے چنانچہ یہاں ایسا ہی ہو رہا ہے جو اعتراض ہوتا ہے وہ معترض پر الٹ جاتا ہے چنانچہ اس کی ایک مثال تو یہی ہے کہ جس بحث سے گنجائش نکالنی چاہی وہی الٹی پڑ گئی۔

دوسری مثال بخاری مسلم کا معاملہ ہے خاص کر بخاری کا، جون ۱۹۵۵ء میں

فن حدیث کے متعلق لاہور میں مولانا مودودی صاحب نے تقریر کی اس تقریر کا اقتباس جماعت اسلامی کے اخبار ہفت روزہ المنبر لائل پور میں شائع ہوا اس میں بخاری وغیرہ کی نسبت لکھا ہے۔ صحیح بخاری جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہی جاتی ہے اس کی احادیث کو فرداً فرداً جانچنے کا حق تسلیم کیا گیا ہے اور اہل علم نے اس کی احادیث کے بارے میں کلام کیا ہے یہ کلام اگر دلائل کی بنا پر ہوگا تو دلیل ہی کے لحاظ سے اسے قبول کیا جائے گا، اور دلیل ہی کی بنا پر رد بھی کیا جائے گا بہر حال بخاری شریف کی احادیث یا دوسری احادیث کے مجموعوں کی روایات پر مسلمہ قواعد کے مطابق تنقید کرنا ہر صاحب علم کا حق ہے۔

(المنبر ہفت روزہ جلد ۷ نمبر ۲۱، ۲۲ مورخہ ۷ اشوال ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۰ جون ۱۹۵۵ء ص ۲ کالم ۲)

اس کے بعد کے پرچہ میں مودودی صاحب کا خط شائع ہوا اس میں مودودی صاحب نے بخاری کی نسبت یہ الفاظ کہے ہیں۔

”آج اگر کوئی اس (بخاری) کی احادیث پر تنقید کرے تو محض اس بنا پر کہ وہ بخاری کی احادیث پر کلام کر رہا ہے قابل ملامت نہ ہوگا۔ بشرطیکہ وہ قواعد کے مطابق تنقید کرے“

(المنبر جلد ۷ صفحہ ۲۳، ۲۴۔ ۲۴ شوال ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۷/۲۴ جون ۱۹۵۴ء صفحہ ۱۳)

اس کی تائید میں ادارہ المنبر نے اس اشاعت کے ص ۹ پر امام ابن تیمیہ کی یہ عبارت نقل کی ہے۔

ان التصحیح لم یقلد الائمة فیہ البخاری ومسلما بل جمہور ما صححاہ کان قبلهما صحیحا متلقی بالقبول وکذلك فی عصرهما وکذلك بعدهما قد نظر ائمة هذا الفن فی کتابیهما فوافقوهما علی صحة ماصححاہ المواضع یسیرة نحو عشرین حدیثا انتقدهما علیهما طائفة من الحفاظ وهذہ الامواضع المنتقدة غالبها فی مسلم وقد انتصر طائفة لهما فیها وطائفة قررت قول المنتقد .

(منہاج السنۃ لابن تیمیہؒ بحوالہ فتح الملہم)(شرح مسلم لمولانا شبیر احمد عثمانی ص ۹۶)

ترجمہ: احادیث کی تصحیح میں ائمہ حدیث نے امام بخاری اور مسلم کی تقلید نہیں کی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جن احادیث کو ان ہر دو حضرات (بخاری و مسلم) نے صحیح کہا ائمہ حدیث نے اُس سے پہلے بھی انہی احادیث کو صحیح قرار دیا اور قبول عام حاصل ہوا۔

اسی طرح ان کے زمانہ میں جو ائمہ حدیث تھے انہوں نے بھی ان احادیث کو صحیح کہا یہی بات اُن کے بعد ظہور پذیر ہوئی فن حدیث کے ائمہ نے بخاری اور مسلم دونوں کتب پر نگاہ دوڑائی اور جن روایات کو انہوں نے صحیح کہا تھا انہیں صحیح ہی پایا البتہ چند مقامات میں ائمہ حدیثؒ نے امام بخاری و مسلم سے اتفاق نہیں کیا اور ان کی صحیح کردہ روایات کو صحیح نہیں جانا یہ احادیث بیس کے قریب ہیں ان پر حفاظ حدیث نے تنقید کی ہے یہ احادیث زیادہ مسلم میں ہیں بعد کے ائمہ حدیث کے ایک گروہ نے تنقید کرنے والوں کی تائید کی ہے اور ان احادیث کو مجروح ہی کہا ہے اور ایک دوسرے گروہ نے مجروح احادیث کی تائید کی ہے۔(المنبر اشاعت مذکورہ ص ۹)

مولانا مودودی کے ترجمہ میں غلطی :۔

معلوم ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی میں علم کی بہت کمی ہے اس چھوٹی سی عبارت کے ترجمہ میں دو جگہ غلطی کی ہے۔ انہی احادیث کا لفظ جس پر ہم نے خط دے دیا ہے اس کی بجائے ان احادیث کا لفظ چاہئے تا کہ حصر نہ سمجھا جائے کیونکہ عربی عبارت میں حصر کا کوئی لفظ نہیں۔ دوسری غلطی اخیر کا حصہ ہے صحیح یوں ہے۔

بعد کے ائمہ حدیث کے ایک گروہ نے بخاری مسلم کی موافقت کی ہے اور ان احادیث کو صحیح کہا ہے۔ (جن کو مجروح کیا گیا ہے) اور ایک دوسرے گروہ نے تنقید کرنے والوں کے قول کو صحیح کہا ہے۔

استدلال میں غلطی :۔

خیر یہ تو ترجمے کی غلطی ہے اب استدلال کی غلطی سنیئے ! بظاہر تو اس عبارت سے یہ گنجائش نکالی ہے کہ بخاری مسلم کی احادیث کو بغیر تنقید کے نہیں لینا چاہئے۔ کیونکہ یہ اندھی تقلید ہے لیکن دراصل اس عبارت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تنقید کی اب کوئی گنجائش نہیں کیوں کہ اس کی انتہا ہوگئی یہاں تک کہ ان کی صحت پر تین زمانے متفق ہیں بخاری مسلم سے پہلے لوگ بھی ان کی صحت پر متفق تھے اور ان سے بعد کے لوگ بھی اور ان کے ہم عصر بھی۔

اب بتلائیے اس سے بڑھ کر کسی کتاب کی شان کیا ہوسکتی ہے کہ جس طرح قرآن مجید کی صحت پر دنیا متفق ہے اسی طرح انکی صحت پر بھی دنیا متفق ہے صرف فرق اتنا

ہے کہ اول درجہ صحت میں کتاب اللہ ہے۔ پھر ان کا نمبر ہے۔

اور اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن احادیث کو مجروح کہا گیا ہے ان میں بھی اختلاف ہے ایک گروہ بخاری مسلم کے ساتھ ہے اور ایک تنقید کرنے والوں کے ساتھ ہے اور یہ چیز اصول حدیث میں مسلم ہے کہ جس جرح کا تھوڑا بہت جواب ہو سکے اس سے حدیث حسن درجہ سے نہیں گرتی جیسے مسلم کی دوسرے درجہ کی احادیث جو تائیداً لاتے ہیں ملاحظہ ہو مقدمہ مسلم پس اس جرح کا حاصل یہ ہوا کہ بعض مقامات میں بخاری مسلم کی شرط (اعلی درجے کی صحت) پوری نہیں ہوئی نہ کہ وہ حدیث قابل عمل نہیں۔

تیسری بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ یہ جرح کوہ کندن و کاہ برآوردن کی مثال ہے یعنی بخاری مسلم کے اتنے بڑے دفتر سے کل بیس احادیث کے قریب ایسی نکلی ہیں جن پر بعض محدثین کی تنقیدی نظر پڑی ہے جو ترازو میں پانچ بھی نہیں۔ ایسے تو قرآن مجید کی بعض قرأتوں میں بھی اختلاف ہے کہ شاذ ہیں یا متواتر مگر اس سے مشہور سات قرأتوں کو کوئی ضعیف نہیں کہتا ہے ٹھیک اسی طرح بخاری مسلم کی ان چند احادیث پر اگر جرح ہوئی ہے تو یہ کالعدم ہے ہاں اس سے اتنا فائدہ ضرور پہنچا کہ مخالفوں کا منہ بند ہو گیا وہ اس طرح کہ بخاری مسلم کی احادیث میں کچھ تنقید کی گنجائش ہوتی تو اتنے بڑے بڑے محدث جرح تعدیل کے امام اتنی کوشش کے باوجود اپنا منہ لے کر نہ بیٹھ جاتے اگر تنقید کرنے والوں کا مقصد محض اعتراض ہوتا تو یہاں ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' والا حساب ہوتا مگر خیر ان کی لوگوں کی نیتیں بخیر تھیں انہوں نے شہرت یا ناموری کے لئے یہ کوشش نہیں کی، کہ ان کو کامیاب نہ ہونے کی صورت میں ندامت ہو بلکہ انہوں نے جو کچھ کیا دین کیلئے کیا اور دین کی خاطر۔

بعض دفعہ ایک ایک حدیث کے لئے مہینوں سفر ہوتے تھے یہ بخاری کی سات آٹھ ہزار احادیث سولہ سال کے عرصہ میں جمع ہوئی ہیں بہر صورت بخاری مسلم کی شان اس سے بہت بلند ہوگئی اور تنقید کا خاتمہ ہو گیا۔ والحمد لله علی ذلك

چوتھی بات اس عبارت سے یہ معلوم ہوئی کہ بخاری کا مقام مسلم سے اعلی ہے کیونکہ ان مجروح احادیث کا غالب حصہ مسلم میں ہے گویا بخاری کے حصے میں کل پانچ چھ احادیث ایسی آئیں جن پر تنقید کی گئی ہے تو بخاری کی سات آٹھ ہزار احادیث کے مقابلہ میں فی ہزار ایک بھی نہ ہوئی، اب بھی کوئی بخاری پر جرح کرے تو اس کو شرم کرنی چاہیئے اور خدا سے ڈرنا چاہئے کیونکہ تعصب کا انجام برا ہے۔

ایک شبہ اور اس کے جوابات:۔

ہاں یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ امام نووی نے شرح مسلم کے مقدمہ میں بخاری مسلم کی قریباً دوسو احادیث لکھی ہیں جن پر تنقید ہوئی ہے اور حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں دوسودس لکھی ہیں جن سے ۷۸ صرف بخاری میں ہیں اور سو صرف مسلم مین ہیں اور ۳۲ دونوں میں ہیں تو گویا یہ ۳۲ ملا کر ایک سودس بخاری میں ہوئیں اور ایک سو ۳۲ مسلم میں ہوئیں پس ابن تیمیہؒ کا بیس کے قریب کہنا کیونکر صحیح ہوگا۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ امام ابن تیمیہؒ کی مراد وہ احادیث ہیں جن میں محدثین کا اختلاف رہا باقی کے متعلق محدثین کا اتفاق ہو گیا کہ تنقید کرنے والوں کی غلطی ہے چنانچہ امام نوویؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے ہر ایک حدیث کے متعلق پوری بحث کی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ان سے بہت احادیث پر جرح یہ ہے کہ ان میں فلاں

راوی موجود ہے حالانکہ یہ ضروری نہیں کہ راوی کے مجروح ہونے سے حدیث بھی مجروح ہو جائے کیونکہ بعض دفعہ ایک حدیث کئی طرق سے مروی ہوتی ہے جن کو ملا کر وہ صحیح ہو جاتی ہے اور بعض دفعہ ایک مجروح راوی کے ساتھ ثقہ راوی مل جاتا ہے تو اس طرح سے بھی حدیث صحیح ہو جاتی ہے اور بعض دفعہ ایک راوی میں عمر کے تقاضا سے یا کسی اور سبب سے یا حادثے سے حافظہ وغیرہ میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے وہ مجروح ہو جاتا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی پہلی روایت کردہ احادیث بھی مجروح ہو جائیں۔

غرض اس قسم کی تنقیدات سے حدیث کی صحت پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا بلکہ امام نوویؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے تو سب احادیث کی صحت ثابت کی ہے جن میں وہ بیس بھی آجاتی ہیں جن کا ذکر امام ابن تیمیہؒ نے کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ بخاری مسلم کی شان بہت بلند ہے اور ان کی مسند احادیث سب صحیح ہیں اور اب ان پر تنقید کا دروازہ بند ہے اور جن چند احادیث پر امام دار قطنی وغیرہ نے تنقید کی ان میں بھی بخاری و مسلم کا پلڑا بھاری ہے اور تنقید کرنے والے غلطی پر ہیں اور مودودی صاحب نے جب دیکھا کہ اسناد کے قوی ہونے کے بعد اب تنقید کی کوئی گنجائش نہیں تو درایت اور ذوق کا ایک شاخچہ کھڑا کر دیا۔

اور اس کے لئے کئی قسم کے راستے کھول دیئے جن میں سے دو کا بیان ہو چکا ہے اب تیسرا سنئے ابھی ذکر ہوا ہے کہ تیسرا راستہ تاریخ ہے اور یہ بھی بیان ہوا ہے کہ تاریخ واقعات عالم کا ترتیب وار ذخیرہ ہے۔

مودودی صاحب کا خیال ہے کہ اب تاریخ نے بہت وسعت پیدا کر لی ہے یہاں تک کہ اس کی وسعت نے تمام واقعات عالم کا احاطہ کر لیا ہے ایسا کوئی واقعہ نہیں جو اس کے احاطہ میں نہ آیا ہو اگر حدیث میں بھی کسی واقعہ کا ذکر ہو اور تاریخ میں اس کی شہادت نہ ملے تو درایت اور ذوق کا یہی فیصلہ ہے کہ وہ غلط ہے اسی بناء پر آپ تمیم داری کی حدیث جو دجال سے متعلق ہے اس کا ذکر کر کے بڑی جرات سے لکھتے ہیں کیا تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ حضور ﷺ کا یہ اندیشہ صحیح نہ تھا

(ترجمان القرآن جلد ۲۸ نمبر ۳ ص ۱۷۲)

بلکہ اس سے بھی ترقی کر کے لکھتے ہیں۔ وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں جن کے بارے میں آپ خود شک میں تھے۔ (حوالہ مذکورہ)

مودودی صاحب یہاں تو منکرین حدیث سے بھی آگے بڑھ گئے منکرین حدیث حدیث کو تاریخی حیثیت سے مانتے ہیں وحی قرار نہیں دیتے مودودی صاحب نے نہ صرف وحی بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی انکار کر دیا ہے اور تیرہ سو برس کی تاریخ کا سہارا لیتے ہوئے دجال کے متعلق احادیث صحیحہ کو غلط کہہ دیا اگر حدیث کو تاریخی حیثیت دیتے تو تیرہ سو برس کی تاریخ کا حدیث سے موازنہ کرتے کہ ایک طرف دنیا کی تاریخ اور ایک طرف سردار دو جہاں محمد ﷺ کا بیان چہ نسبت خاک را بہ عالم کا مصداق ہے پھر لطف یہ کہ مودودی صاحب خود بھی لکھتے ہیں۔

"دنیا میں زمانہ گزشتہ کے حالات کا کوئی ذخیرہ اتنا مستند نہیں جتنا کہ حدیث

کا ذخیرہ مستند ہے۔'' (تفہیمات حصہ اول ص ۳۶۱)

مودودی صاحب نے یہاں مخبوط الحواس کا کام کیا ہے ادھر پیغمبر اسلام پر جرأت ادھر اپنی تحریروں میں تضاد اگر حدیث کا ذخیرہ سب ذخیروں سے زیادہ مستند ہے تو پھر تیرہ سو برس کی تاریخ کو اس سے کیا نسبت؟ کسی نے سچ کہا ہے ۔

دورنگی چھوڑ دے یک رنگ ہوجا

سراسر موم ہوجا یا سنگ ہوجا

پھر ایک اور حوالہ ملاحظہ فرمایئے ، مودودی صاحب فرماتے ہیں اگر آپ مجھے مومن و مسلم سمجھتے ہیں تو پھر آخر کس طرح آپ نے یہ گمان کرلیا کہ میں کسی روایت کو فی الحقیقت حدیث رسول اللہ ﷺ مان لینے کے بعد پھر اس پر کسی کے ..... یا اپنے اجتہاد کو یا کسی امام کے قول کو ترجیح تو درکنار اگر میں دونوں قولوں کو مساوی بھی سمجھوں بلکہ اس کا خیال بھی کروں تو میں مومن کیسے رہ جاؤں گا۔

(المنبر لائل پور جلد ۷ ص ۲۳، ۲۴۔ مورخہ ۲۴ - ۱۰ - ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۹۵۵ء-۶-۱۷، ۲۴) بحوالہ تفہیمات جلد اول صفحہ ۳۰۱، ۳۰۲)

اس عبارت کے مطابق مودودی صاحب خود ہی اپنے حق میں فیصلہ کرلیں کہ وہ کیا ہوئے، اقرا كتابك كفى بنفسك اليوم عليك حسيبا (پ ۱۵) کیوں ۔

ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

مودودی صاحب کے اس زوردار بیان کی ایک یہ صورت ہے جس کی

تعریف المنبر کے مدیر نے پرچہ مذکورہ کے صفحہ ۱۱ پر ان الفاظ سے کی ہے۔

انداز بیان ہمیشہ زوردار اور فیصلہ کن ہوتا ہے۔

خدا ایسے گمراہ کن زوردار بیان سے بچائے جس میں قلم کا گھوڑا بے لگام ہو جائے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:۔

بعض لوگ سوال کیا کرتے ہیں کہ یاجوج ماجوج کا ذکر تو قرآن مجید میں ہے اور سکندر، ذوالقرنین اور سد سکندری کا بھی تفصیلاً بیان ہے اور احادیث میں تو بہت زیادہ تفصیل آئی ہے کہ یاجوج ماجوج نے دو انگلیوں کے حلقے کے برابر سد سکندری میں سوراخ کر دیا ہے اور عنقریب وہ سد سکندری توڑنے والے ہیں اور ان کی پہلی فوجیں بحیرہ طبریہ کا سارا پانی پی جائیں گی اور پچھلی فوجیں گزریں گی تو کہیں گی یہاں کسی زمانہ میں پانی ہوگا زمین پر قبضہ کر کے پھر آسمان کی طرف تیر چلائیں گے آسمان سے وہ خون آلودہ آئیں گے دیکھ کر کہیں گے ہم نے آسمان والے کو بھی قتل کر دیا اب آسمان پر بھی ہماری بادشاہت ہے عیسیٰ علیہ السلام بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ ان کو خدا کی طرف سے حکم ہوگا کہ میرے بندوں کو پہاڑ طور کی طرف جگہ دے پھر خدا ان کی گردنوں میں کڑا پیدا کر دیں گے جس سے یک لخت سارے کے سارے اس طرح مر جائیں گے جس طرح ایک انسان مرتا ہے ان کی لاشوں سے زمین بھر جائے گی عیسیٰ علیہ السلام دعا کریں گے خدا تعالیٰ اونٹوں کی طرح لمبی گردنوں والے پرندے بھیجے گا وہ اٹھا اٹھا کر ان کو نحبل (بیت المقدس میں کوئی جگہ ہے) پھینک دیں گے پھر

بارش ہوگی جس سے زمین صاف ہو جائے گی اور خدا زمین و آسمان کو حکم دے گا اپنی برکات چھوڑ دیں بس پھر رزق کی اتنی فراوانی ہو جائے گی اور ایک اونٹنی کا دودھ کئی جماعتوں کو کافی ہوگا اور ایک گائے کا ایک قبیلہ کو اور ایک بکری کا ایک گھرانے کو اور سانپوں سے زہر نکل جائے گا ان سے بچے کھیلیں گے شیروں کو بچے بھگاتے پھریں گے بھیڑیے کتوں کی طرح بکریوں کے محافظ بن جائیں گے اور سات سال تک مسلمان یاجوج ماجوج کے تیر و کمان کی لکڑیاں جلائیں گے یعنی یاجوج ماجوج کی تعداد اتنی زیادہ ہوگی کہ سات سال تک ان کے تیر کمان ایندھن کا کام دیں گے۔

غرض سد سکندری اور یاجوج ماجوج کا بیان قرآن مجید میں بھی ہے اور احادیث میں ہے مگر دجال کا ذکر صرف احادیث میں ہے قرآن مجید میں نہیں حالانکہ دجال بہت بڑا فتنہ ہے اس کی کیا وجہ؟ اس کا جواب اولاً تو یہ ہے کہ مخالف ہمیشہ اس کوشش میں رہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح آپ ﷺ کو بدنام کریں۔ اس بنا پر انہوں نے آپ سے تین سوال کئے کہ شاید ان کا جواب نہ دے سکیں۔

مخالفین کے رسول اللہ ﷺ سے تین سوال:۔

(۱) ایک یہ کہ روح کیا ہے؟

(۲) اصحاب کہف کون تھے؟

(۳) ذوالقرنین کا قصہ کیا ہے؟

آپ ﷺ نے اس خیال سے کہ وحی جلدی آجائے گی کل کا وعدہ کیا مگر انشاء اللہ نہیں کہا اس وجہ سے وحی تقریباً پندرہ روز بند رہی اس کے بعد ان تینوں سوالوں

کے جوابات کے ساتھ قرآن مجید نازل ہوا اور ساتھ ہی تنبیہ کی کہ، ولا تقولن لشيئي الى فاعل ذلك غداً الا ان يشاء الله (پ۱۵)

''کسی شے کی بابت ہرگز یہ نہ کہو کہ میں کل کروں گا مگر اس کے ساتھ انشاء اللہ ضرور کہو''

اور جب ذوالقرنین کا ذکر قرآن مجید میں نازل ہوا تو اس میں یاجوج ماجوج کا ذکر بھی آ گیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ دجال کا ذکر قرآن مجید میں اگرچہ صراحتہ نہیں مگر اشارۃ ہے وہ یوں کہ عیسیٰ علیہ السلام اولوالعزم اور صاحب شریعت انبیاء سے ہیں ان کی حیات [1] بھی قرآن مجید سے ثابت ہے اور ان کا دوبارہ آنا بھی اور ظاہر ہے کہ اتنا بڑا اہتمام کسی بڑے فتنے کا سدباب ہے اور وہ دجال ہی ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں آدم سے تا قیامت اس سے بڑا کوئی فتنہ نہیں۔

(مشکوۃ باب ذکر الدجال والعلامات یدی الساعۃ صفحہ۴۴۲)

---

[1] نوٹ: مصیبت یہ ہے کہ مودودی صاحب میں کچھ نیچریت اور کچھ مرزائیت حلول کر آئی ہے وہ حیات مسیح سے بھی منکر ہیں جو امت کا متفقہ مسئلہ ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

مسیح علیہ السلام کی حیات کا مسئلہ متشابہات میں سے ہے (کوثر ۲۱ فروری ۱۹۵۱ء) پس قرآن کی روح سے زیادہ مطابقت اگر کوئی طرز عمل رکھتا ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ رفع جسمانی کی تصریح سے بھی انکار کیا جائے اور موت کی تصریح سے بھی (تفہیم القرآن ص۴۲۱) جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے حیات مسیح و رفع الی السماء قطعی طور پر ثابت نہیں ہے۔ قرآن مجید کی مختلف آیات سے یقین نہیں ہوتا (تقریر مولانا مودودی صاحب بموقعہ درس مقام اچھرہ ۱۱ ہور ۲۸ مارچ ۱۹۵۱ء)

ایک اہم سوال:۔

مودودی صاحب تو تیرہ سو سال کی تاریخ کے سہارے پر پیغمبر اسلام کی غلطیاں نکال رہے ہیں اصحاب کہف اور سد سکندری کو کیا کریں گے تیرہ سو سال کی تاریخ میں تو ان کا بھی پتہ نہیں چلتا خاص کر یاجوج ماجوج کے ذکر نے تو اور حیرانی میں ڈال دیا کیوں کہ دجال تو انفرادی حالت میں کسی جزیرہ میں مقید ہے تیرہ سو سال کی تاریخ میں اس کا پتہ نہ لگنا معمولی بات ہے لیکن یاجوج ماجوج تو اپنی کثرت تعداد کے لحاظ سے کسی بہت بڑے ملک میں آباد ہوں گے تیرہ سو سال کی تاریخ ان کا کیوں پتہ نہیں دیتی؟

پھر اصحاب کہف پر مسجد بھی بنائی گئی ہے جو بہت بڑا نشان ہے اور وہ کھلے میدان میں سوئے ہوئے ہیں اور سد سکندری اس سے بھی بڑی عمارت ہے جو دو ملکوں کے درمیان حائل ہے اور یاجوج ماجوج اس کے توڑنے میں لگے ہوئے ہیں اور دو انگلیوں کے حلقے کے برابر رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہی اس میں سوراخ ہو چکا تھا تو یہاں بھی یہ کہہ دیا جائے کہ تیرہ سو سال کی تاریخ نے یہ ثابت کر دیا کہ رسول تو در کنار خدا کا اندیشہ بھی صحیح نہیں دیدہ باید

چوتھا راستہ:۔

مودودی صاحب کی درایت کے لئے احادیث میں اختلاف اور ٹکراؤ ہے اس میں شبہ نہیں کہ حدیث بھی قرآن مجید کی طرح وحی ہے کہ صرف فرق اتنا ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ میں اعجاز ہے (یعنی ایسا کلام بنانے پر کوئی دوسرا قادر نہیں) اور

حدیث شریف میں اعجاز نہیں اور یوں بھی فرق کرتے ہیں۔

قرآن اور حدیث رسولؐ میں فرق:۔

کہ قرآن مجید وحی متلو ہے یعنی نمازوں غیر نمازوں میں اس کی تلاوت ہوتی ہے اور حدیث وحی غیر متلو ہے دوسرے لفظوں میں قرآن مجید وحی جلی ہے اور حدیث وحی خفی ہے۔

جلی کے لفظی معنی واضح کے ہیں اور خفی کے معنی پوشیدہ اور مراد وہی متلو غیر متلو ہے جب ہر وقت نماز غیر نماز میں عام تلاوت ہوگی تو جلی کے معنی پائے گئے۔ اور جس کی اس طرح تلاوت نہیں اس میں خفی کے معنی پائے گئے اور جلی خفی کا ایک معنی یہ بھی کرتے ہیں کہ اگر الفاظ اور معنی دونوں خدا کی طرف سے ہوں تو یہ جلی ہے اور اگر الفاظ رسول اللہ ﷺ کے ہوں اور معنی خدا کی طرف سے ہو تو یہ خفی ہے کیونکہ الفاظ ظاہر ہیں اور معنی دل میں ہوتا ہے مگر اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ حدیث قدسی کے الفاظ اور معنی دونوں خدا کی طرف سے ہوتے ہیں حالانکہ وہ قرآن نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث قدسی کی کئی تعریفیں ہیں بعض تعریفوں میں الفاظ خدا کے ہونے شرط نہیں حدیث قدسی کی تعریف کے متعلق سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ سے ہمارے پاس ایک استفتاء آیا تھا اس کا جواب ہم نے لکھ کر بھیج دیا تھا۔ مناسب ہے کہ وہ استفتاء معہ جواب یہاں درج کر دیا جائے اس سے حدیث قدسی کی تعریف بھی واضح ہو جائے گی۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ حدیث قدسی میں الفاظ خدا کے ہونے شرط ہیں یا نہیں۔

الاستفتاء

حدیث قدسی کی تعریف کیا ہے یہاں دو تین علماء سے سوال کیا گیا ہے مگر کسی نے جواب نہیں دیا اس لئے حدیث قدسی کی مکمل جامع مانع تعریف لکھ کر جواب دیں

والسلام

ملک عبدالرشید عراقی (سوہدرہ)

مورخہ ۱۳۷۵ھ-۲-۲۳، مطابق ۱۹۵۵ء-۹-۱۲ بروز بدھ

جواب: بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

حدیث قدسی کی تعریف:۔

حدیث قدسی کی دو تعریفیں مشہور ہیں۔

۱. ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ خدا کی طرف نسبت کریں خواہ صیغہ غائب ہی ہو جیسے، عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ یقول اللہ تعالی انا عند ظن عبدی بی وانا معہ اذا ذکرنی الحدیث (مشکوۃ باب ذکر عند اللہ...الخ)

ترجمہ: بندہ جیسا مجھ پر گمان رکھتا ہے میں اس کیساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے۔

۲. دوسری تعریف یہ ہے کہ خدا براہ راست بندوں سے خطاب کرے (یعنی صیغہ غائب نہ ہو) جیسے، عن ابی ذرؓ قال قال رسول اللہ ﷺ فیما یرویہ عن اللہ تبارک وتعالی انہ قال یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی

وجعلته بینکم محرما فلا تظالموا الحدیث (مشکوۃ باب الاستغفار... الخ)

ترجمہ: اے میرے بندو! میں نے ظلم اپنی ذات پر حرام کر دیا ہے اور تمہارے درمیان بھی میں نے اس (ظلم) کو حرام کر دیا۔ پس آپس میں ظلم نہ کرو۔

نوٹ: اس میں اختلاف ہے کہ حدیث قدسی میں الفاظ خدا کے ہوتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ کے بھی ہو سکتے ہیں ظاہر یہی ہے کہ جیسے معنی خدا کی طرف سے ہے الفاظ بھی خدا کے ہوتے ہیں صرف ان میں اعجاز نہیں ہوتا جیسے قرآن مجید میں اعجاز ہے۔

حدیث قدسی اور غیر قدسی میں فرق:۔

اگر الفاظ خدا کے نہ ہوں اور صرف مطلب خدا کا ہو تو پھر حدیث قدسی اور دوسری حدیثوں میں یہ فرق ہوگا کہ حدیث قدسی میں خدا کی طرف نسبت کی صراحت ہوتی ہے اور دوسری حدیثوں میں نسبت کی صراحت نہیں ہوتی اور یہ نسبت خدا کی طرف بطور تشریف ہوگی جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ وغیرہ وغیرہ۔

ورنہ مطلب کے لحاظ سے سب احادیث خدا کی طرف سے ہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی لاہور ماڈل ٹاؤن سی بلاک ۱۱۹

مورخہ ۱۳۷۵ھ-۱-۲۷ مطابق ۱۹۵۵ء-۹-۱۵

استفتاء کے اس جواب سے معلوم ہوا کہ حدیث قدسی کی ایک تیسری تعریف یہ بھی ہے کہ صرف خدا کی طرف تشریفی طور پر نسبت ہوتی ہے الفاظ خدا کے نہیں ہوتے اس بناء پر جلی کے یہ معنی کرنا کہ الفاظ بھی خدا کے اور مطلب بھی خدا کا اور اس معنی سے قرآن مجید کو وحی جلی کہنا صحیح ہوگا اور اس کے مقابلہ میں وحی خفی کا معنی یہ ہوگا کہ صرف مطلب خدا کا ہے الفاظ خدا کے نہیں ہیں اور اس معنی سے حدیث وحی خفی ہے قدسی ہو یا غیر قدسی لیکن نوٹ میں جو ہم نے کہا ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ حدیث قدسی کے الفاظ خدا کے ہوتے ہیں صرف ان میں اعجاز نہیں ہوتا یہ چاہتا ہے کہ حدیث قدسی کی یہ تیسری تعریف کچھ کمزور ہو اور اس بنا پر جلی خفی کا یہ معنی بھی کچھ کمزور ہی رہے گا اور جلی کے بعض یہ معنی کرتے ہیں کہ فرشتہ سامنے آتا ہے۔ اور خفی کے یہ معنی کرتے ہیں فرشتہ سامنے نہیں آتا جیسے شروع بخاری میں دونوں قسم کی وحی کی تفصیل ہے مگر قرآن کی وحی اور حدیث کی وحی میں یہ فرق کرنا غلط ہے کیونکہ حدیث کی وحی میں بھی کبھی فرشتہ سامنے آتا ہے جیسے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہمسایہ کے حقوق کی نسبت جبرائیلؑ نے مجھے اتنی وصیت کی کہ قریب تھا کہ اسے وارث بنا دیں۔

اور مشکوۃ باب المساجد میں حدیث ہے کہ سب جگہوں سے بہتر جگہیں مسجدیں ہیں اور سب جگہوں سے بدتر جگہیں بازار ہیں اس مسئلہ میں بھی جبرائیلؑ اترے اور مشکوۃ کی پہلی حدیث میں بھی جبرائیلؑ کے آنے کا ذکر ہے مگر اس میں سوال جبرائیلؑ نے کیا ہے اور جواب رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے بہر صورت یہ بھی ایک تعلیم دینے کا طریقہ ہے اور قرآن مجید کے نزول میں بعض دفعہ فرشتہ سامنے نہیں آتا جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کی آیات اتری ہیں اس وقت ویسے ہی رسول

اللہ ﷺ کی استغراق کی حالت ہوگئی اور طبیعت پر بوجھ پڑ گیا اسی طرح پانچویں پارہ آیہ کریمہ'' **لا یستوی القاعدون** '' میں لفظ'' **غیر اولی الضرر** '' اترنے کے وقت ہوا۔

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں وحی لکھ رہا تھا میری ران آپ ﷺ کی ران کے نیچے تھی جب یہ لفظ اترا تو مجھ پر اتنا بوجھ پڑا کہ قریب تھا کہ میری ہڈی ٹوٹ جائے حالانکہ صرف ایک لفظ "**غیر اولی الضرر** " اترا ہے اور اس قسم کی وحی میں سردیوں میں بھی آپ ﷺ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے خواہ وحی قرآن مجید ہو یا حدیث ہو۔

چنانچہ مشکوۃ کتاب الرقاق فصل اول میں ابوسعید خدریؓ کی حدیث کا نزول بھی اسی طرح ہوا جو یہ ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کی نمائش اور زینت سے میں تم پر ڈرتا ہوں ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا خیر بھی شر کو لاتی ہے آپ ﷺ چپ ہو گئے ہم نے خیال کیا کہ آپ ﷺ پر وحی ہو رہی ہے پس آپ ﷺ نے پسینہ پونچھا اور فرمایا سائل کہاں ہے؟ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ ﷺ نے اس کا سوال پسند کیا ہے فرمایا خیر شر نہیں لاتی لیکن فصل بہار میں جو کچھ زمین اگاتی ہے اس کو چارپائے کھاتے ہیں کئی چارپائے کھا کر مر جاتے ہیں کئی قریب المرگ ہو جاتے ہیں جو چارپایہ کھا کر دھوپ میں آ کھڑا ہو پسینہ آئے گوبر کرے پیشاب کرے پیٹ ہلکا ہو جائے پھر جا کر چرنے لگے اس چارپائے کو یہ غذا مفید پڑتی ہے سو اسی طرح یہ دنیا کا مال و دولت سبز اور میٹھا ہے جو حلال طریق سے لے اور جہاں

خرچ کرنے کا حکم ہے وہاں خرچ کر دے اس کے لئے یہ مال بہتر معاون ہے اور جو ایسا نہ کرے اس کی مثال اس چار پائے کی ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اور قیامت کے دن یہ مال اس پر گواہ ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ خرابی مال سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ سوء استعمال سے پیدا ہوتی ہے جیسے قرآن کی بابت فرمایا کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بہت کو ہدایت کرتا ہے اور بہت کو گمراہ کرتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جلی خفی میں فرشتے کے سامنے آنے نہ آنے کے ساتھ فرق کرنا صحیح نہیں بلکہ فرق وہی ہے جو پہلے بیان ہوا۔ یعنی جلی سے مراد وحی متلو ہے اور خفی سے مراد وحی غیر متلو ہے پس قرآن مجید اور حدیث شریف میں دو طرح سے فرق ہوا ایک یہ کہ قرآن مجید میں اعجاز ہے اور حدیث شریف میں اعجاز نہیں دوسرے یہ کہ قرآن مجید وحی متلو ہے اور حدیث شریف وحی غیر متلو ہے بہر حال حدیث کے وحی ہونے میں شبہ نہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ وحی میں اختلاف یا تضاد نہیں ہوتا کیوں کہ وحی خدا کی طرف سے ہے۔

قرآن مجید میں، **ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا.** (پ ۵)

قرآن مجید غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو تم اس میں بڑا اختلاف پاتے۔

اب چاہئے تو یہ تھا کہ احادیث میں بظاہر جہاں اختلاف ہو وہاں موافقت کی کوشش کی جائے اور اگر کسی سے موافقت نہ ہو سکے تو اسے چاہئے کہ اس کے جاننے

والے کے حوالے کردے چنانچہ قرآن مجید میں بھی یہی حکم ہے چنانچہ تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۵۲۹ پر زیر آیت مذکورہ مسند احمد سے حدیث ذکر کی ہے کہ صحابہ نے کسی آیت میں جھگڑا کیا اور ان کی آوازیں بلند ہوگئیں رسول اللہ ﷺ اندر سے بڑے جوش بھرے نکلے یہاں تک کہ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا صحابہؓ پر مٹی پھینکی اور ان کو ڈانٹا اور فرمایا کہ پہلی امتیں اسی وجہ سے ہلاک ہوگئیں کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام پر اختلاف کیا اور اللہ کی کتاب کے بعض کو بعض سے ٹکرایا اور قرآن مجید اس لئے نہیں اترا کہ بعض اس کا بعض کی تکذیب کرے بلکہ اس لئے اترا ہے کہ بعض اس کا بعض کی تصدیق کرے پس جو اس سے پہچان لو اس پر عمل کرو اور جس سے جاہل ہو اس کو اس کے عالم کے حوالے کردو۔

اور بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۱۲ پر سورہ حم سجدہ کی آیت ''قل أئنكم لتكفرون بالذی خلق الارض فی یومین'' کے تحت سعید ابن جبیرؓ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص (نافع بن ازرق) نے ابن عباسؓ کو کہا کہ قرآن مجید کی کئی آیتوں میں مجھے تعارض معلوم ہوتا ہے۔

۱. خدا ایک جگہ فرماتا ہے ولا یتساءلون (پ۱۸ ع۶) یعنی قیامت کے دن کوئی ایک دوسرے کو نہیں پوچھے گا اور دوسری آیت ہے واقبل بعضهم علی بعض یتساءلون (پ۲۳ ع۶) یعنی قیامت کے دن ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔

۲. ایک آیت میں ہے ولا تکتمون اللہ حدیثا (پ۵ ع۳)

یعنی خدا سے کوئی بات نہیں چھپائیں گے اور دوسری آیت میں ہے واللہ

ربنا ما کنا مشرکین (پ ۷ ع ۹)

۳۔ سورہ نازعات میں ہے کہ آسمان کو زمین سے پہلے پیدا کیا اور سورہ حم سجدہ کی آیت مذکورہ میں ہے کہ زمین پہلے پیدا کی۔

۴۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے "وکان اللہ غفور رحیما ، عزیزا حکیما ، سمعیا بصیرا "یعنی خدا بخشنے والا مہربان تھا، غالب حکمت والا تھا، سننے والا دیکھنے والا تھا، گویا پہلے زمانہ میں تھا اب نہیں ابن عباسؓ نے جواب میں فرمایا۔

۱۔ پہلے نفخہ میں کوئی نہیں پوچھے گا دوسرے نفخہ میں پوچھیں گے۔

۲۔ جب اللہ تعالیٰ اہل توحید کو بخشے گا تو مشرک کہیں گے آؤ ہم بھی قسم کھائیں کہ ہم مشرک نہ تھے اس کے بعد ان کے منہ پر مہریں لگا دی جائیں گی اور ہاتھ بولیں گے پس اس وقت کچھ نہیں چھپائیں گے۔

۳۔ زمین آسمان سے پہلے پیدا ہوئی ہے اور سورہ نازعات میں زمین کی پیدائش کا ذکر نہیں بلکہ بچھانے کا ذکر ہے اور بچھانے سے مراد اس میں چشمے جاری کرنا اس سے چارہ پیدا کرنا اس میں پہاڑ گاڑنا اونٹ اور ٹیلے اور باقی اشیاء پیدا کرنا ہے۔

۴۔ یہ اوصاف خدا تعالیٰ کے چونکہ قدیمی ہیں اس لئے ماضی کا لفظ استعمال کیا اور یہ مطلب نہیں کہ اب نہیں کیونکہ خدا جب کوئی ارادہ کرے مثلاً کسی کو بخشش رحمت پہنچانی چاہے تو اس کو کوئی رکاوٹ نہیں اس لئے اس کے حق میں یہ اوصاف منقطع نہیں (اسی لئے کتب نحو میں کان کی دو قسمیں لکھی ہیں منقطع اور دائمہ) پس قرآن مجید تجھ پر مختلف نہ ہو کیونکہ سارا خدا کی طرف سے ہے۔

تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۴۲۰ پر سورہ سأل سائل کی آیۃ فی یوم کان

مقدارہ خمسین الف سنہ کے تحت لکھا ہے کہ

"ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس دن کے متعلق سوال کیا جس کا اندازہ پچاس ہزار سال ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ (اور سورہ سجدہ میں ہزار سال کا دن) دونوں دن خدا نے اپنی کتاب میں ذکر کیے ہیں خدا کی جو مراد ہے وہ بہتر جانتا ہے میں اللہ کی کتاب میں بغیر علم کے کچھ کہنا مکروہ سمجھتا ہوں"

یہی حال حدیث کا ہونا چاہئے کیوں کہ وہ بھی وحی ہے اول تو موافقت کی کوشش کرنی چاہئے اگر اتنا علم نہ ہو تو اپنے سے زیادہ علم والے کی طرف رجوع کرے یا پھر توقف کرے جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کیا۔

مگر مودودی صاحب حدیث سے ظالمانہ برتاؤ کر رہے ہیں دیدہ دانستہ احادیث کو ٹکراتے ہیں اور پھر ان کی تردید شروع کر دیتے ہیں یہ ان کی درایت ہے جو عموماً حدیث پر ہمیشہ غالب رہتی ہے چنانچہ لکھتے:

دجال سے متعلق جتنی احادیث نبی ﷺ سے مروی ہیں ان کے مضمون پر مجموعی نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضور ﷺ کو اللہ کی طرف سے اس معاملہ میں جو علم ملا تھا وہ صرف اس حد تک تھا کہ دجال ظاہر ہونے والا ہے اس کے یہ اوصاف ہوں گے اور وہ ان خصوصیات کا حامل ہوگا لیکن یہ آپ کو نہیں بتایا گیا کہ وہ کب ظاہر ہوگا اور کہاں ظاہر ہوگا اور آیا یہ کہ وہ آپ کے عہد میں پیدا ہو چکا ہے یا آپ کے بعد کسی بعید زمانہ میں پیدا ہونے والا ہے ان امور کے متعلق جو مختلف باتیں حضور

ﷺ سے حدیث میں منقول ہیں وہ دراصل آپ ﷺ کے قیاسات ہیں جن کے بارے میں آپ ﷺ خود شک میں تھے کبھی آپ ﷺ نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ دجال خراسان سے اٹھے گا اور کبھی یہ کہ اصفہان سے اور کبھی یہ کہ شام و عراق کے درمیانی علاقہ سے۔ (ترجمان القرآن جلد نمبر ۲۸/ ۳ صفحہ ۱۷۱،۱۷۲۔ بابت ربیع الاول ۱۳۶۵ھ مطابق فروری ۱۹۴۶ء)

مودودی صاحب نے ان احادیث کو آپس میں ٹکرا کر نتیجہ یہ نکالا ہے کہ یہ محض آپ ﷺ کے قیاسات ہیں حالانکہ خراسان اور اصفہان مدینہ منورہ سے قریباً مشرقی جانب میں ہیں اور عراق تو بالکل مشرق میں ہے اور حدیث میں درمیانی علاقہ شام و عراق نہیں آیا۔ بلکہ "خله بين الشام و العراق" آیا ہے اور خلہ کے معنی راستہ کے ہیں جو ریگستان میں ہو اور وہ راستہ شام کی نسبت عراق کی طرف زیادہ نزدیک ہو تو وہ بھی قریباً مشرق میں ہوگا۔

سندھی حاشیہ ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۵۰۹ میں لکھتے ہیں۔

قال القرطبي قد جاء انه من خراسان ومن اصبهان و وجه الجمع ان مبدأ خروجه من خراسان من ناحية اصبهان ثم يخرج الى الحجاز فيما بين الشام والعراق.

ترجمہ: قرطبی کہتے ہیں احادیث میں خراسان سے نکلنے کا بھی ذکر آیا ہے اور اصبہان سے بھی آیا ہے اور موافقت اس طرح ہے کہ ابتدا خروج خراسان سے شہر اصبہان کی جانب سے ہے پھر حجاز کی طرف اس کا خروج شام و عراق کے درمیانی راستہ سے ہوگا۔

قارئین کرام! خیال فرمائیں کہ پہلے علماء سب کچھ لکھ گئے ہیں مگر مودودی صاحب کو اپنا علمی مظاہرہ کرنا تھا اس لئے ان کو نئی سوجھتی ہے اور دراصل یہ علمی مظاہرہ نہیں بلکہ اپنی کم عقلی کا مظاہرہ ہے معاذ اللہ آپ ﷺ کوئی شیخ چلی تو تھے ہی نہیں کہ محض انکلوں کی بنا پر خیالات کی عمارت چنتے رہیں بلکہ آپ ﷺ کی تو وہ بلند شخصیت ہے جس کے متعلق خدا تعالیٰ ذمہ دارانہ طور پر فرماتے ہیں۔

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی .(الایہ ۲۷)

پھر یہ بھی سوچنا چاہئے کہ خراسان ایک علاقہ کا نام ہے اور اصبہان ایک شہر ہے اور خلہ ریگستان کا راستہ ہے یہ تعینات اس قسم کی پیش گوئی ہیں کہ اس میں قیاس کا کوئی دخل ہی نہیں۔ اس کا ذریعہ صرف وحی ہوسکتی ہے اور مودودی صاحب کا دعویٰ تو اتنا بڑا ہے کہ نبی ﷺ کی غلطیاں نکالتے ہیں مگر یہ کبھی نہیں سوچا کہ ان چیزوں کے نام حضور ﷺ کی زبان پر کس طرح آ گئے اور دجال کا چکر ان راستوں سے کیوں ہوگا کیا اس کو نکلنے کا کوئی اور راستہ نہیں۔

کاش! مودودی صاحب اصول حدیث ہی پڑھ لیتے اس میں یہ اصول صاف لکھا ہے کہ اسرائیلیات سے نہ لینے والا صحابی اگر کوئی اس قسم کی خبر دے جس میں رائے قیاس کا دخل نہ ہو تو محدثین اس کو مرفوع حدیث شمار کرتے ہیں یعنی وہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہوتا ہے کیونکہ صحابہ کے لئے ایسے معلومات کا ذریعہ صرف آپ ہی کی ذات بابرکات تھی تو کیا رسول اللہ ﷺ کے لئے خدا کی ذات کے سوا کوئی اور ذریعہ

تھا؟ پس اس بنا پر آپ ﷺ کا ارشاد بطریق اولیٰ وحی ہونا چاہئے خاص کر جب کہ آپ ﷺ کے حق میں ذمہ دارانہ فرمان الٰہی **وما ینطق عن الھوی** بھی موجود ہے لیکن مودودی صاحب کی درایت نے یہ سب باتیں ان کی آنکھ سے اوجھل کر دیں کیا اس سے یہ بہتر نہیں کہ آپ منکرین حدیث میں شامل ہو جائیں اوپر سے اقرار کا لیبل لگا کر اندر سے انکار یہ تو وہی یہود کا تیرتھا سجدہ ہے جبکہ ان پر پہاڑ طور اٹھایا گیا آپ کی حکومت الٰہیہ بھی ایسی ہی ہوگی **انا للہ وانا الیہ راجعون**۔

پانچواں راستہ:۔

مودودی صاحب کی درایت اور قرآن وحدیث کا آپس میں اختلاف اور ٹکراؤ ہے ابھی ذکر ہوا ہے کہ حدیث بھی وحی ہے اور وحی کا وحی سے اختلاف نہیں ہوتا ہاں ظاہر میں کسی وقت اختلاف معلوم ہو تو اس کی موافقت کی کوشش کرنی چاہئے اگر سمجھ میں نہ آئے تو کسی دوسرے کے حوالے کر دے یا توقف کرے جیسے قرآن مجید کے متعلق اوپر گزر چکا ہے اب اس کی چند امثلہ پیش کی جاتی ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ اسلاف کا کیا طریقہ تھا۔

اور رسول اللہ ﷺ نے خود کیا طریقہ اختیار کیا ہے۔

لیکن ان امثلہ سے پہلے قرآن وحدیث کے آپس میں لگاؤ کے متعلق مودودی صاحب کا نظریہ سن لیجئے۔ مودودی صاحب منکرین حدیث کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن اور اس سے پہلے تمام آسمانی کتابوں کو رسولوں کے واسطہ سے کیوں نازل کیا؟ کیا اللہ اس پر قادر نہ تھا کہ مطبوعہ کتابیں یکا یک زمین پر اتار دیتا اور ان کا ایک ایک نسخہ نوع بشری کے ہر فرد کے پاس اپنے آپ پہنچ جاتا؟ اگر وہ اس پر قادر نہ تھا تو عاجز تھا اس کو خدا ہی کیوں مانئے؟ اور اگر وہ قادر تھا اور یقیناً قادر تھا تو اس نے نشر و اشاعت کا یہ ذریعہ کیوں اختیار نہ کیا؟ یہ تو بظاہر ہدایت کا یقینی ذریعہ ہوسکتا تھا کیونکہ ایسے صریح معجزے اور بیّن خرق عادت کو دیکھ کر ہر شخص مان لیتا کہ یہ ہدایت خدا کی طرف سے آئی ہے لیکن ایسا نہ کیا اور ہمیشہ رسولوں ہی کے ذریعہ سے کتابیں بھیجتا رہا اس رسالت کے کام پر فرشتوں یا دوسری غیر انسانی ہستیوں کو مامور نہ کیا بلکہ ہمیشہ انسانوں ہی کو اس کے لئے منتخب فرمایا ہر زمانہ کے کفار نے بہتیرا کہا کہ اگر خدا کو ہم تک کوئی پیغام پہنچانا منظور ہی ہے تو وہ فرشتے کیوں نہیں بھیجتا تا کہ ہم کو بھی اس پیغام کے **منزل من اللہ** ہونے کا یقین آ جائے مگر خدا نے ہر ایسے سوال پر یہی فرمایا کہ اگر ہم فرشتے بھی بھیجتے تو ان کو آدمی بنا کر بھیجتے **ولو جعلنه ملكا لجعلنه رجلا** (انعام ع ۱) اور یہ کہ زمین میں فرشتے بستے ہوتے تو ہم ان کی ہدایت کے لئے فرشتے بھیجتے **لو كان في الارض ملائكة يمشون مطمئنين لنزلنا عليهم من السماء ملكا رسولا** (بنی اسرائیل ع ۱۱) سوال یہ ہے کہ تنزیل کتب کے لئے رسولوں کو واسطہ بنانے اور رسالت کے لئے تمام بندگان خدا میں سے بالخصوص انسانوں ہی کو منتخب کرنے پر اس قدر اصرار کیوں کیا گیا؟

اس کا جواب خود کلام اللہ ہمیں بتاتا ہے کہ خدا نے جتنے رسول بھیجے ہیں ان کی بعثت کا مقصد یہ رہا ہے کہ وہ فرامین خداوندی کے مطابق حکم دیں اور لوگ احکام کی اطاعت کریں وہ الٰہی قوانین کے مطابق زندگی بسر کریں اور لوگ انہی کے نمونہ کو دیکھ کر اس کی اتباع کریں۔ **وما ارسلنامن رسول الا لیطاع باذن اللہ** (نساء ع ۹) انبیاء علیہم السلام پے در پے آئے اور ہر ایک نے لوگوں سے یہی مطالبہ کیا کہ **اتقوا اللہ واطیعون** (شعراع ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰) ۱ نبی ﷺ سے کہلوایا ان **کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ** (آل عمران ع ۴) مومنوں سے کہا گیا **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ** (احزاب) اگر محض کتاب اتار دی جاتی اور کوئی رسول نہ آتا تو لوگ آیات کے معانی میں اختلاف کرتے اور کوئی اس کا فیصلہ کرنے والا نہ ہوتا لوگ احکام کے منشاء کو سمجھنے میں غلطیاں کرتے اور کوئی صحیح منشاء بتانے والا نہ ہوتا اس ضرورت کو تو خیر ایک حد تک فرشتے بھی پورا ۲ کر سکتے۔ مگر

---

(۱) مودودی صاحب نے سورہ بقرہ کا حوالہ دیا ہے مگر یہ غلط ہے

(۲) فرشتے پورا نہیں کر سکتے کیونکہ فرشتہ کو اصل شکل پر انسان دیکھ نہیں سکتا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ جبرائیل علیہ السلام کو اصل شکل میں دیکھ کر بیہوش ہو گئے۔ اور انسانی شکل میں آتا اور کھاتا پیتا اور دیگر لوازم انسانی بھی اس کے ساتھ ہوتے تو فرشتہ نہ رہتا اور اگر لوازم انسانی اس کے ساتھ نہ ہوتے تو زیادہ گھبراہٹ کا باعث ہوتا کہ خدا جانے یہ کیا بلا ہے۔

پاکیزگی طہارت اور تقوی کے احکام پر لوگ یہ خیال کرتے ۔ کہ عملی زندگی میں ان پر عمل کرنا انسان کے بس کا کام نہیں ہے فرشتہ تو انسانی جذبات سے محروم ہے پیٹ نہیں رکھتا شہوانی قوتیں نہیں رکھتا انسانی ضرورتوں سے بے نیاز ہے اس کے لئے متقیانہ زندگی بسر کرنا کچھ مشکل نہیں مگر ہم انسانی کمزوریاں رکھتے ہوئے اس کی تقلید کیسے کریں اس لئے ضروری تھا کہ ایک انسان انہی جذبات وداعیات اور انہی تمام قوتوں اور انسانی تقیدات کے ساتھ زمین پر آتا اور لوگوں کے سامنے احکامِ الٰہی کے مطابق زندگی بسر کر کے بتاتا کہ اس طرح انسان خدا کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کر سکتا ہے اس کو زندگی کے وہ تمام معاملات پیش آتے جو انسان کو پیش آتے ہیں وہ ان تمام معاملات میں عام انسانوں کے ساتھ شریک ہوتا عملاً حصہ لیتا قدم قدم پر انکو اپنے عمل اور اپنے قول سے ہدایات دیتا ان کی تربیت کرتا اور انہیں بتاتا زندگی کی پیچیدہ راہوں میں سے کس طرح انسان بچ کر حق اور نیکی کے سیدھے راستہ پر چل سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ خود اللہ تعالی نے ہمارے لئے تنہا کتاب اللہ کو کافی نہ سمجھا اور رسول اللہ کی اتباع اور اسوہ حسنہ کی پیروی کو اس کے ساتھ لازم کر دیا۔ (تفہیمات صفحہ ۳۲۴،۳۲۵،۳۲۶)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول مجسمہ تعلیم ہوتے ہیں اور ان کا قول وعمل کتاب اللہ کی تفسیر ہوتی ہے دوسرے لفظوں میں مطلب یہ ہوا کہ حدیث قرآن مجید سے الگ نہیں بلکہ اس کی تفسیر ہے پس قرآن وحدیث کو حتی الوسع ملانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ نہ کہ ٹکرانے کی اگر اپنے قصور فہم سے کہیں اختلاف معلوم ہو بھی تو اپنے سے

زیادہ علم والے سے پوچھ لے یا توقف کرے۔ جیسے قرآن مجید کی آیات میں اختلاف معلوم ہونے کے وقت اوپر ہدایات ذکر ہوچکی ہیں۔

قرآن وحدیث میں بظاہر تعارض کی امثلہ اور تطبیق:۔

اب قرآن وحدیث میں اختلاف معلوم ہونے کی چند امثلہ پیش خدمت ہیں جس سے انشاءاللہ راستہ بالکل صاف ہوجائے گا اور معلوم ہوجائے گا کہ اسلاف ایسے موقعہ پر کیا کرتے تھے۔ ہمیں بھی انہی کی اتباع چاہئے۔

مثال اول:۔

قرآن مجید میں ہے "فاما من اوتی کتابہ بیمینہ فسوف یحاسب حسابا یسیرا" (پ ۳۰)

جو قیامت کے دن اعمال نامہ اپنے دائیں ہاتھ میں دیا جائے پس وہ حساب کیا جائے گا حساب آسان اور حدیث میں ہے من حوسب عذب یعنی جس کا حساب کیا گیا اس کو عذاب دیا جائے گا۔

اس آیت وحدیث میں بظاہر مخالفت ہے آیت میں ہے جن کو عمل نامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا ان کا حساب ہوگا حساب آسان اور حدیث چاہتی ہے کہ جن کا حساب ہوا اس کو عذاب ہو خواہ حساب آسان ہو یا سختی سے ہو۔

حضرت عائشہ نے یہ شبہ رسول اللہ ﷺ پر پیش کیا رسول اللہ ﷺ نے دونوں میں یوں موافقت کی کہ آیت سے مراد دراصل حساب نہیں بلکہ عرض (سامنے کرنا) ہے یعنی دائیں ہاتھ میں عملنامہ ملنے والوں کے گناہ سامنے کر کے بخش دیا جائے

گا یہ تمہارے گناہ معاف کر دیے گئے تا کہ انکو پتہ لگے کہ خدا نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ **من نوقش فی الحساب عذب** یعنی جو حساب میں کرید کیا گیا اور ذرا ذرا سی بات کی پوچھ ہوئی تو اس کو ضرور عذاب ہوگا گویا رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم نے آیت کی تاویل کی کہ وہ برائے نام حساب ہے یہیں پس آیت وحدیث میں کوئی مخالفت نہیں۔

قرآن مجید میں ہے **واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا** (پ۵ ع۱۴)

ترجمہ: جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز قصر (دوگانہ) پڑھو اگر تمہیں اس بات کا ڈر ہو کہ کہیں کافر تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔

حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ وغیرہ تشریف لے گئے تو دوگانہ پڑھتے رہے حالانکہ وہاں کسی قسم کا کفار کا ڈر نہ تھا کیونکہ مکہ وغیرہ فتح ہو چکا تھا اور ہر طرح سے امن قائم ہو چکا تھا۔

یہ آیت چاہتی ہے کہ دوگانہ اس وقت ہو جب کفار کا ڈر ہو اور حدیث میں اس شرط کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ شبہ رسول اللہ ﷺ پر پیش کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا **صدقۃ تصدق اللہ بھا علیکم فاقبلوا صدقتہ۔**

(مشکوۃ ص۱۱۸ کذا فی مسلم)

یعنی دو رکعت کی معافی خدا کی طرف سے صدقہ ہے پس اس کا صدقہ قبول کرو۔

آپ ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ شروع میں اگر چہ ڈر کی وجہ سے یہ رخصت ہوئی مگر اب اس شرط کی معافی ہے تو گویا یہاں بھی رسول اللہ ﷺ نے آیت کی تاویل کی

اصولی اور فروعی بحثیں:۔

تنبیہ:۔

یہاں کئی اصولی وفروعی بحثیں ہیں مثلاً

۱. شرط علت ہوتی ہے یا نہیں۔
۲. علت مشروعیت اور علت حکم میں کیا فرق ہے۔
۳. قصر کے معنی کم کرنے کے ہیں یہاں کتنی کمی مراد ہے اگر یہ صلوۃ خوف کو شامل ہو تو اس میں ایک رکعت بھی آئی ہے۔
۴. صدقہ کے لفظ سے رخصت مراد ہے یا عزیمت یعنی دوگانہ ضروری ہے یا اختیاری وغیرہ وغیرہ مگر اس قسم کی بحثیں اول تو موضوع کتاب ہی نہیں دوسری بات ہے کہ یہاں کچھ اختصار بھی مطلوب ہے اس لئے ترک کردی گئیں۔

تیسری مثال:۔

بخاری کی حدیث میں ابراہیم علیہ السلام کے متعلق تین جھوٹ بولنے کا ذکر آیا ہے۔

۱. جب آپ نے بت توڑے اور کفار نے پوچھا کہ یہ کام کس نے کیا ہے؟ تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا ان کے بڑے نے کیا ہے۔

۲۔ جب قوم اپنے میلہ پر جانے لگی تو ابراہیم علیہ السلام کو بھی ساتھ لے جانا چاہا۔ آپؑ نے ویسے ہی ستاروں کی طرف نظر کر کے کہہ دیا کہ میں بیمار ہوں۔

۳۔ عراق سے شام کی طرف جب ہجرت کی تو راستہ میں ایک ظالم بادشاہ نے آپؑ کی بیوی سارہؓ کو پکڑ لیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ یہ تیری کیا لگتی ہے تو آپؑ کہا میری بہن ہے کیوں کہ اگر بیوی کہتے تو وہ آپ کو قتل کر دیتا چنانچہ اس کا دستور تھا کہ خاوند کو قتل کر دیتا یہ تین جھوٹ حدیث میں مذکور ہیں ایک جان بچانے کے لئے اور دو اللہ کے راستہ میں اور یہ دونوں (جو اللہ کے راستہ میں ہیں) قرآن مجید میں بھی موجود ہیں اور تیسرا جو صرف حدیث میں ہے اس کے متعلق اس حدیث میں صاف یہ الفاظ ہیں میں نے بہن اس بناء پر کہا ہے کہ تو میری اسلامی بہن ہے۔

مولانا مودودی کا قرآن پر اعتراض:۔

مطلب اس کا یہ ہے کہ یہاں شکل جھوٹ کی ہے دراصل جھوٹ نہیں لیکن باوجود اس کے مودودی صاحب ترجمان القرآن جلد ۵ صفحہ ۲۸۲،۴۴ بابت دسمبر ۱۹۵۵ء میں اس حدیث پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید میں ابراہیم علیہ السلام کو صدیق (بڑا سچا) کہا ہے حالانکہ دو جھوٹ جب قرآن مجید میں موجود ہیں تو دراصل یہ قرآن مجید پر اعتراض ہے نہ کہ حدیث پر اگر کہا جائے کہ حدیث میں ان پر جھوٹ کا لفظ بولا ہے قرآن میں جھوٹ کا لفظ نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جھوٹ کا لفظ نہ بولنے سے حقیقت پر تو پردہ نہیں پڑ سکتا جو واقعہ میں جھوٹ ہے وہ جھوٹ ہی ہے۔ لفظ خواہ بولو یا نہ پھر جو صرف حدیث میں ہے اس کے

متعلق حدیث نے بتا دیا کہ وہ واقعہ میں جھوٹ نہیں۔ بلکہ صرف شکل اس کی جھوٹ کی ہے مگر باوجود اس کے یہ لوگ صرف حدیث پر ہی آوازے کس رہے ہیں اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں قرآن وحدیث کی قدر نہیں قرآن مجید کو اپنی خواہش کے تابع کرتے ہیں اور صحیح احادیث کو اس سے ٹکراتے ہیں ورنہ جیسے قرآن قرآن کے خلاف نہیں ہو سکتا اسی طرح حدیث بھی قرآن مجید کے خلاف نہیں ہو سکتی ہم یہاں ایک استفتاء کا جواب نقل کرتے ہیں اس سے اس مسئلہ کی اچھی طرح وضاحت ہو جائے گی۔ انشاء اللہ تعالی

سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ سے ہمارے پاس ایک استفتاء آیا جس کے الفاظ یہ ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم! آج کل ہمارے ہاں بخاری کی حدیث کذبات ابراہیم علیہ السلام کا بہت چرچا ہو رہا ہے لوگ کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں آپ کو صدیقا نبیا کہا گیا ہے اور حدیث میں آپ کی طرف جھوٹ منسوب ہوا ہے اس لئے یہ اس بخاری کو نہیں مانتے اور اسی وجہ سے یہ کتاب اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا درجہ نہیں رکھتی۔ اس کے متعلق آپ بالوضاحت اور بالتفصیل مضمون لکھ کر ''الاعتصام'' میں شائع کرائیں یہ آپ کی خدمت میں ایک گزارش ہے براہ کرم اس کام کو بہت جلد سرانجام دیں اور اس کے ساتھ کہتے ہیں کہ مولانا آزاد نے بھی اس کا انکار کیا ہے براہ کرام ضرور اس کو سرانجام دے کر عند اللہ اجر پاویں۔

خاکسار، مخلص عبدالرشید عراقی سوہدروی

الجواب:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت مولوی عبدالرشید صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! خیریت بخیریت آپ نے حدیث بخاری **لم یکذب ابراهیم الا ثلث** (ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین جھوٹ بولے) کے متعلق سوال کیا ہے کہ یہ قرآن شریف کے خلاف ہے کیونکہ قرآن شریف میں ابراہیم علیہ السلام کو صدیق کہا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن مجید کا معنی اپنی رائے سے کرتے ہیں جس کے متعلق وعید آئی ہے، **من قال فی القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار** (شرح السنۃ ۱/۲۵۸)

یعنی جو قرآن مجید میں اپنی رائے سے کہے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے۔

قرآن مجید کی تفسیر پہلے قرآن مجید سے کرنی چاہئے پھر حدیث سے پھر آثار سلف سے قرآن مجید نے جو صدیق کا معنی بیان کیا ہے وہ حسب ذیل آیت میں ہے

والذين امنوا بالله ورسوله اولئك هم الصديقون (پ۲۷ ع۱۸)

ترجمہ: جو اللہ اور رسول کے ساتھ ایمان لاتے ہیں وہی صدیق ہیں اللہ رسول کے ساتھ ایمان لانے میں ان باتوں پر ایمان لانا بھی داخل ہے جو اللہ رسول نے فرمائی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جان بچانے کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے

جو توریہ کی قسم سے ہے چنانچہ بخاری شریف کی اسی حدیث میں ہے جس میں بیوی کو بہن کہا ہے کہ اخوت سے اخوت اسلامی مراد ہے اور توحید سمجھانے کے لئے حیلہ کرنا قرآن مجید سے ثابت ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑ کر کہا کہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے اسی طرح قرآن مجید میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں بیمار ہوں (بیماری سے مراد دل کی پریشانی ہے) مگر ستاروں میں نظر کر کے بیمار کہنے سے قوم کو دھوکا دیا کہ ان کی مراد جسمانی بیماری ہے۔

اسی طرح یوسف علیہ السلام نے غلہ کی بوریوں میں شاہی پیمانہ رکھا کر بھائیوں کو چور کہلوایا اس کے متعلق اللہ تعالی نے فرمایا ہے۔

كذلك كدنا ليوسف (یہ حیلہ ہم نے یوسفؑ کو سکھلایا) پس جب تک اس قسم کی باتوں پر کوئی ایمان نہ لائے وہ بحکم آیہ کریمہ مذکورہ بالا **والذين آمنوا بالله ورسله اولئك هم الصديقون**۔ صدیق نہیں ہو سکتا پس صحیح معنی صدیق کا وہی ہے جو کہ قرآن مجید نے خود بیان کر دیا۔

خلاصہ یہ کہ صدیق وہ ہے جس کا تعلق خدا اور رسول سے سچا ہو۔ فقط

والسلام

عبداللہ امرتسری روپڑی حال ماڈل ٹاؤن سی بلاک کوٹھی نمبر ۱۱۹ لاہور

مورخہ ۲۹ ذیقعد ۱۳۷۴ھ بمطابق ۲۱ جولائی ۱۹۵۵ بروز جمعرات۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:۔

بخاری میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میت کو اس کے اہل وعیال کے رونے سے عذاب ہوتا ہے یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہنچی تو فرمایا عبداللہ بن عمرؓ سے غلطی ہوئی آپ ﷺ نے یوں فرمایا ہے کہ میت کو اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے اور اس کے اہل وعیال اس پر رو رہے ہیں) یعنی دونوں مصیبت میں ہیں) اور یہ ایسی غلطی ہے جیسے جنگ بدر کی حدیث میں عبداللہ بن عمرؓ سے ہوئی ہے رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر میں کفار کی لاشیں کنوئیں بدر میں ڈال کر آواز دی کہ ہم نے تو نصرت اور فتح کا، وعدہ خدا کی طرف سے سچا پایا کیا تم نے بھی خدا کی طرف سے (عذاب) کا وعدہ سچا پایا عبداللہ بن عمرؓ نے اس موقعہ پر حضور ﷺ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ کہ یہ کفار میری بات کو اس وقت سنتے ہیں حالانکہ حضور ﷺ نے ”سنتے“ نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جانتے ہیں اور اس بارے میں تمہیں قرآن مجید کا فیصلہ کافی ہے قرآن مجید کا فیصلہ ہے **انک لا تسمع الموتی** یعنی تو مردوں کو نہیں سنا سکتا

(بخاری کتاب المغازی باب قتل ابی جہل)

منکرین حدیث اور حدیث عائشہؓ:۔

بخاری میں یہ پورا واقعہ اسی طرح درج ہے اس میں حضرت عائشہ نے عبداللہ بن عمرؓ کی دو غلطیاں بتلائی ہیں ایک اہل وعیال کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے دوسری کفار کی لاشوں کو جو آپ نے خطاب کیا اس کے متعلق کیا

الفاظ فرمائے سنتے ہیں یا ''جانتے'' ہیں دوسری غلطی میں قرآن مجید کی آیت **انك لا تسمع الموتی** بطور تائید پیش کی پہلی میں کوئی چیز پیش نہیں کی مگر دوسری روایتوں میں ذکر آگیا ہے کہ اس بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیت **ولا تزر وازرۃ وزر اخری** پیش کی یعنی کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

جو لوگ احادیث کو قرآن مجید سے ٹکرا کر رد کرتے ہیں وہ دلیل میں حضرت عائشہؓ کا یہ واقعہ پیش کرتے ہیں لیکن دراصل یہ دھوکا ہے۔

یہ لوگ **لا تقربوا الصلوۃ** پر عمل کرتے ہیں پورا واقعہ ذکر نہیں کرتے۔

حضرت عائشہؓ سے اپنی اس غلطی کا اقرار مروی ہے چنانچہ بخاری کتاب الجنائز میں ہے حضرت عائشہؓ حدیث روایت فرماتی ہیں کہ اللہ کافر کو اس کے اہل وعیال کے رونے کی وجہ سے عذاب زیادہ کرتا ہے حافظ ابن حجر فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۱۱۸ میں اس پر لکھتے ہیں کہ دوسرے کے فعل کی وجہ سے جب عذاب ہوا تو زیادہ ہونے میں اور ابتداء ہونے میں کوئی فرق نہیں یعنی زیادہ ہونے کا مطلب یہی ہے کہ کافر کو اپنے کفر پر بھی عذاب ہوتا ہے اور پچھلوں کے رونے کی وجہ سے بھی ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ کافر کو پچھلوں کے رونے کی وجہ سے اس لئے عذاب ہوتا ہے کہ وہ رسم بد کو مٹاتا نہیں یا جاری کر جاتا ہے اور اس پر انکار نہیں کرتا سو ایسے ہی وجوہات اگر مسلمان میں پائی جائیں تو وہ بھی مستحق سزا ہوگا اور یہی عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث کا مطلب ہے چنانچہ امام بخاریؒ نے باب باندھ کر اس طرح کی موافقت کی ہے اور اس سے آیہ

ولا تزر وازرۃ وزر اخری کا مطلب بھی واضح ہو گیا کہ دوسرے کے بوجھ سے وہ بوجھ مراد ہے جس میں اس کا دخل نہ ہو جب اس کا دخل ہو گیا خواہ رسم بد کو جاری کرنے کی وجہ سے یا مٹانے میں سستی وغیرہ کرنے کی وجہ سے تو پھر اس کی شرکت ہو گئی اس بنا پر اس حدیث کی مخالفت تو کجا حدیث آیت کی تفسیر ہو گئی۔

رہا بدر کا واقعہ سو اس میں حضرت عائشہ سے صراحۃً اس قسم کی روایت آ گئی ہے جیسے عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے یعنی حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تم ان کفار سے میری آواز کو زیادہ سننے والے نہیں۔

حافظ ابن حجر فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۲۴۳ مطبع مصر میں اس پر لکھتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے حضرت عائشہؓ نے عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث کی طرف رجوع کر لیا۔

اس بنا پر آیت **انک لا تسمع الموتی** کا مطلب یہ ہوا کہ تو نہیں سنا سکتا خدا چاہے تو سنا دے سو خدا تعالیٰ نے اس طرح سنایا کہ آپ ﷺ کی آواز کے لئے اس وقت ان کو زندہ کر دیا جیسے بخاری میں قتادہ (راوی حدیث بدر) سے مروی ہے

پس عبداللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث بھی آیت **انک لا تسمع الموتی** کی تفسیر ہو گئی اور آیت سے مراد یہ ہوئی کہ مردوں کو مردہ ہونے کی حالت میں نہیں سنا سکتا جب خدا ان میں روح لٹا دے تو پھر سنا سکتا ہے۔

اصل الاصول:۔

خیر یہ تو حضرت عائشہؓ کے واقعہ سے استدلال کا جواب ہے اب یہاں پر ایک اصل الاصول بات یاد رکھنی چاہئے وہ یہ کہ جن لوگوں کی معرفت ہمیں احادیث

پہنچی ہیں انہی کی معرفت ہمیں قرآن مجید کی تفسیر پہنچی اگر بظاہر کسی آیت کی آیت کے ساتھ یا حدیث کی حدیث کے ساتھ یا حدیث کی آیت کے ساتھ مخالفت تھی تو وہ سب معاملہ ان کے سامنے آگیا کیونکہ سب ذخیرہ ان کے سامنے تھا جیسے صحت وضعف کے متعلق تحقیق کے زیادہ سے زیادہ معتبر ذرائع جو انسانی امکان میں تھے وہ سب محدثین نے استعمال کئے یہاں تک کہ اس بحث کی انتہا ہوگئی ایسے ہی قرآن و حدیث کی مخالفت کی جتنی صورتیں تھیں وہ سب قرآن وحدیث کے خادموں کے احاطہ میں آگئیں اور ان کے متعلق بحث و تمحیص ہو کر فیصلجات بھی سامنے آگئے اب اگر کوئی نئی مخالفت پیدا کرے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ جس آیت وحدیث میں مخالفت پیدا کی جارہی ہے اسکا صحیح مفہوم ان سے کسی نے بھی نہیں سمجھا یا دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ ان کو نہ عقائد کی ضرورت تھی نہ عمل کی ضرورت وہ صرف چھٹی رساں تھے قرآن وحدیث کی چھٹی ہمارے حوالے کر کے رخصت ہو گئے۔ اب ہم جانے اور ہمارا کام جانے اور ہمارے بعد آنے والے بھی قیامت تک یہی نظریہ قائم کرتے جائیں گے نتیجہ ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث قیامت تک بیکار ہے یا معاذ اللہ موم کی ناک ہے جدھر چاہو موڑ لو بس یہی گمراہی کا اصل الاصول ہے ہر کہ آمد عمارت ساخت والا معاملہ ہے۔

جدت پسندی:۔

اصل بات یہ ہے کہ اہل بدعت جدت پسند ہوتے ہیں اس لئے وہ نئے نئے

موقف تلاش کرتے رہتے ہیں اور یہاں سے ان کا کانٹا بدل کر اہل سنت سے ان کی لائن الگ ہو جاتی ہے اور بمصداق آیت کریمہ **"ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ"** اصل راہ سے گمراہ ہو جاتے ہیں۔

مشکوۃ باب الاعتصام فصل ۲ میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خط کھینچا اور فرمایا یہ (شاہراہ) خدا کا راستہ ہے پھر اس کے دائیں بائیں کئی خط کھینچے اور فرمایا یہ (پگ ڈنڈیاں) شیطانی راستے ہیں پھر آپ ﷺ نے یہ آیت **ولا تتبعوا السبل** پڑھی۔

ہم چاہتے ہیں کہ ان پگ ڈنڈیوں کی تھوڑی سی تفصیل کریں جس سے مودودی صاحب کا موقف واضح ہو جائے اور اصل مقصد یہاں اسی کی وضاحت ہے کیوں کہ سائل کا سوال اسی سے متعلق ہے مگر پگ ڈنڈیوں کی تفصیل سے پہلے شاہراہ کی تفصیل ضروری ہے تاکہ پہلے شاہراہ متعین ہو جائے اور اس سے معلوم ہو جائے کہ اس کے علاوہ سب پگ ڈنڈیاں ہیں لیکن یہاں اختصار مدنظر رہے گا شاہراہ کے بیان میں بھی اور پگ ڈنڈیوں کے بیان میں بھی اگر پوری تفصیل مطلوب ہو تو ہماری کتاب تعریف اہل سنت [1] اور اس کا ضمیمہ ملاحظہ ہو۔

شاہراہ کا بیان:۔

اس میں شبہ نہیں کہ تمام فرق اسلامیہ قرآن مجید کے الفاظ کو وحی مانتے ہیں

---

[1] یہ عنقریب زیور طبع سے آراستہ ہو جائے گی انشاء اللہ الرحمٰن

اور وہ الفاظ یقینی طور پر ہم تک پہنچ گئے ہیں اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ قرآن مجید ہماری ہدایت کے لئے آیا ہے اور ہماری زندگی کا پروگرام ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اصل مقصد معانی اور مطالب ہوتے ہیں کیوں کہ ہماری ہدایت اور زندگی کے پروگرام کا تعلق انہی سے ہے الفاظ تو صرف آپس میں افہام وتفہیم کا کام دیتے ہیں اگر دلوں کی طرف کوئی اور آسان راستہ ہوتا تو الفاظ کی ضرورت ہی نہ پڑتی رہا تبرک تو وہ ایک زائد فائدہ ہے جو اصل غرض کے تابع ہے جب اصل نہ ہو تو فرع بھی نہیں ہوتی۔

قرآنی مطالب کا تعین:۔

پس جب اصل مقصد معانی اور مطالب ہیں تو ان کا تعین ضروری ہے۔

کیونکہ بغیر تعین کے عمل ناممکن ہے مثلاً جب تک اقیموا الصلوۃ میں اقامت اور صلوۃ کا معنی اور مطلب واضح نہ ہو اور یہ پتہ نہ لگے کہ خدا بندوں سے کیا چاہتا ہے اس پر عمل کس طرح ہوسکتا ہے یا یہ کہا جائے جو کسی کی سمجھ آئے اس پر عمل کر لے جس کی سمجھ میں دعا کے معنی آتے ہیں وہ دعا کر لے جس کی سمجھ میں نماز کے معنی آتے ہیں وہ نماز پڑھ لے جس کی سمجھ میں گھوڑ دوڑ کے معنی آتے ہیں وہ گھوڑ دوڑ کر لے کیوں کہ مصلی اس گھوڑے کو بھی کہتے ہیں جو دوسرے نمبر پر دوڑتا ہے اور پہلے گھوڑے (جس کو مجلی کہتے ہیں) کے پیچھے پیچھے جاتا ہے۔

انکے علاوہ صلوۃ کے اور معانی بھی آتے ہیں جیسے کسی شئے کو تپانا اور گرم کرنا قرآن مجید میں ہے سیصلون سعیرا یعنی عنقریب تپیں گے اور اسی لحاظ سے

اقامت کے معنی بھی مختلف ہو جائیں گے۔

لیکن اس صورت میں یہ نہ کہنا چاہئے کہ قرآن مجید ہدایت کے لئے آیا ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ معاذ اللہ دنیا کو پریشان گمراہ کرنے کے لئے آیا ہے کیونکہ دنیا اس سے خدائی مراد تلاش کرنے میں حیران و سرگردان ہے یہ یہاں تک کہ ایک اہل سنت کے نام سے اٹھتا ہے وہ کہتا ہے کہ خاتم النبین کے معنی ختم نبوت کے ہیں اور ایک مرزائی اٹھتا ہے وہ کہتا ہے کہ نہیں اس کے معنی مہر کے ہیں جس پر آپ کے اتباع کی مہر ہوگی وہ نبی ہوگا گویا وہ اس سے اجرا نبوت پر استدلال کرتا ہے اب اگر کوئی معیار نہ ہو جس سے ہم صحیح مراد پاسکیں تو اس سے بڑھ کر اور پریشانی اور گمراہی کیا ہوگی کہ نبوت پر ہی پردہ پڑ گیا جس پر مذہب اسلام کا مدار ہے۔

قرآن مجید باعث ہدایت ہے:۔

حالانکہ قرآن مجید کا دعوٰی ہے **ان ھٰذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم** یعنی قرآن مجید وہ راستہ بتاتا ہے جو بہت ٹھیک ہے اور مشکوۃ باب الاعتصام فصل ۳ میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مثال بیان فرمائی کہ ایک سیدھا راستہ ہے اس کے دونوں طرف فصیل شہر کی طرح بڑی بڑی دو دیوار ہیں اور ان دیواروں میں کھلے ہوئے دروازے ہیں جن پر پردے لٹکے ہوئے ہیں اور راستہ کے سرے کے پاس ایک داعی ہے جو کہتا ہے **استقیموا ولا تعوجوا علی الصراط** سیدے چلے جاؤ اور ٹیڑھے نہ ہو جاؤ اور اس سے اوپر ایک اور داعی ہے جب بندہ کسی

دروازے سے پردہ اٹھانے کا قصد کرتا ہے تو وہ داعی کہتا ہے کہ پردہ نہ کھول اگر تو نے پردہ کھولا تو دروازہ میں داخل ہو جائے گا پھر آپ ﷺ نے اس مثال کی تفسیر کی فرمایا صراط مستقیم اسلام ہے اور دونوں دیواروں میں کھلے ہوئے دروازے محرمات الٰہی ہیں اور ان پر پردے لٹکے ہوئے حدود الٰہی ہیں جن سے آگے گزرنے کی اجازت نہیں اور راستہ کے سرے کے پاس داعی قرآن مجید ہے اور اس سے اوپر داعی ہر مومن کے دل میں خدا کی طرف سے ایک واعظ (فرشتہ) مقرر ہے جو دل پر نیکی کا اثر ڈالتا ہے۔

(باب الاعتصام فصل الثالث ص ۳۱)

خلاصہ یہ کہ قرآن مجید گمراہی کا باعث نہیں بلکہ سراسر ہدایت ہے اور وہ آواز دیتا ہے **استقیموا ولا تعوجوا** (سیدھے چلو ٹیڑھے نہ ہو جاو) اس پر ہمیں زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ ایک مسلمہ چیز ہے یہ جو کچھ مختصر سا لکھا گیا ہے یہ بطور تمہید ہے تا کہ آئندہ جو کچھ اس پر تصریح ہو وہ آسانی سے سمجھ میں آ سکے۔

فرقہ ناجیہ اور آسمانی شہادتیں:۔

جب قرآن مجید ہدایت ہے تو یہ ہدایت پہلے کس کی قسمت میں آئی کچھ شک نہیں کہ جو اس کے پہلے مخاطب ہیں انہی کی قسمت میں پہلے آئی اور وہ خود نبی ﷺ ہیں جن کے متعلق خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے **وانك لتهدى الى صراط مستقيم** (پ ۲۵ ع ۶) یعنی لوگوں کو سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کرتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق خدا فرماتا ہے **لقد رضى الله عن المومنين اذ يبايعونك تحت الشجرة فعلم**

مـا فـی قـلـوبـهـم (پ۲۶ ع۸) یعنی (حدیبیہ والے ۱۴ سو) مومنوں سے اللہ تعالی راضی ہوگیا جبکہ وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے کیونکہ خدا نے ان کا اخلاص جان لیا یا وہ لوگ ہیں جن کے متعلق خدا تعالی فرماتا ہے **رضـی الـلـه عـنـهـم ورضـوا عـنـه** یعنی خدا تعالی ان سے راضی ہوگیا اور وہ خدا تعالی سے راضی ہو گئے اور وہ **السابقون الاولون من المهاجرين والانصار** اور ان کے متبعین ہیں۔ (پ۱۱ ع۷) یا جن کے نام لے کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ جنتی ہیں جیسے عشرہ [1] مبشرہ وغیرہ یا جن کے حق میں آپ ﷺ نے فرمایا یا اللہ ان کو ہادی مہدی کر جیسے معاویہؓ یا وہ لوگ مراد ہیں جن کے متعلق کلمہ جامعہ فرمایا جیسے فرمایا بدری سب سے افضل ہیں اور امید ہے کہ خدا تعالی نے ان کو جھانک کر کہہ دیا "**اعـمـلوا ما شئتم فقد غفرت لكم**" جو مرضی ہو کیے جاؤ بے شک میں نے تمہیں بخش دیا ہے اور فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ بدر والوں اور حدیبیہ والوں سے کوئی جہنم میں نہیں جائے گا اور ایک حدیث میں ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ کے غلام نے رسول اللہ ﷺ کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کی شکایت کی اور کہا کہ وہ جہنم میں جائے گا آپ نے فرمایا تو جھوٹا ہے وہ جہنم میں نہیں جائے گا کیونکہ وہ بدر اور حدیبیہ میں شامل ہوا ہے۔

(مشکوۃ باب جامع المناقب وغیرہ)

---

[1] عشرہ مبشرہ کے نام یہ ہیں ابوبکر صدیقؓ عمرؓ عثمانؓ علیؓ طلحہؓ زبیرؓ عبدالرحمن بن عوفؓ سعد بن ابی وقاصؓ سعید بن زیدؓ ابوعبیدہ بن جراحؓ ۱۲۔

غرض اس قسم کی آسمانی شہادتیں بہت ہیں جن سے قرن اول میں ناجی فرقہ کی تعیین ہو جاتی ہے اور ایک حدیث میں ہے **انتم شهداء الله فی الارض** یعنی تم اللہ کی زمین میں گواہ ہو۔ (ملاحظہ ہو مشکوۃ باب المشی بالجنازۃ فصل اول)

اس بنا پر وہ صحابہ وغیرہ بھی ناجی فرقہ میں شامل ہو جائیں گے جن کے صحابی ہونے یا نیک ہونے کی شہادت ان صحابہ نے دی جن کا ذکر آیات واحادیث مذکورہ بالا وغیرہ میں ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس فرقہ سے خدا راضی ہو گیا اور جو جہنم سے نجات پا گئے ان سے نجات باہر نہیں ہو سکتی کیونکہ ہدایت کا مقصد ہی رضائے الٰہی اور نجات ہے پس ضروری ہوا کہ انکا تعامل دیکھا جائے اور ان کے اقوال واعمال کی تلاش کی جائے تا کہ قرآن مجید کی صحیح تصویر سامنے آجائے اور اس پر عمل کر کے ناجی فرقہ میں شامل ہو جائے رسول اللہ ﷺ کے قول و عمل کا نام تو حدیث ہے اور صحابہ کے قول و عمل کا نام اثر ہے اور یہ عام اصطلاح ہے ورنہ کبھی اثر کو بھی حدیث کہہ دیتے ہیں اور کبھی شاذ و نادر حدیث کو اثر کہہ دیتے جیسے اصحاب الحدیث کا نام اصحاب الاثر بھی ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن مجید کا صحیح مطلب معلوم کرنے اور اس کی ہدایتوں پر عمل کرنے کے لئے احادیث اور آثار کا دیکھنا ضروری ہے اختلاف تفسیر اور فرقہ بندیوں کے موقع پر یہی دونوں چیزیں معیار اور کسوٹی ہیں اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میری امت کے ۷۳ فرقے ہو جائیں گے سب جہنمی ہیں صرف ایک ناجی ہے اس کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا **ما انا علیه اصحابی** یعنی جس راستہ پر میں اور

میرے صحابہ ہیں، وہ راستہ نجات والا ہے (ملاحظہ ہو مشکوۃ باب الاعتصام فصل ۲)

اور اسی فصل میں مندرجہ ذیل حدیث ہے۔

عن العرباض بن سارية قال صلى بنارسول الله ﷺ ذات يوم ثم اقبل علينا بوجهه فوعظنا موعظة بليغة ذرفتِ منها العيون وجلت منها القلوب فقال رجل يا رسول الله كانّ هذه موعظة مودع فاوصنا فقال اوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة وان كان عبدا حبشيا فمن يعش منكم بعدى فسيرى اختلافا كثيرا فعليكم بسنتى وسنةالخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ واياكم ومحدثات الامورفان كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة رواه احمد وابوداؤد والترمذى وابن ماجة الاانهمالم يذكر الصلوة.

ترجمہ: عرباض بن ساریہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے پس ایسا موثر وعظ فرمایا کہ آنکھیں بہہ گئیں اور دل ڈر گئے ایک شخص نے کہا یارسول اللہ ﷺ یہ گویا جدائی کا وعظ معلوم ہوتا ہے ہمیں کچھ وصیت کیجئے فرمایا میں تمہیں تقوی کی وصیت کرتا ہوں اور امیر وقت کی اطاعت کی وصیت کرتا ہوں خواہ وہ غلام حبشی ہو کیوں کہ جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا پس تم میری سنت کو اور خلفاء راشدین مہدین کی سنت کو لازم پکڑ دانں سے چنگل

مارو اور اس کو ڈاڑھوں سے تھامے رہو اور نئے کاموں[1] سے بچو کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اور اسی باب (الاعتصام فصل ۳) میں ہے عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

من كان مستنا فليستن بمن قدمات فان الحی لا تومن عليه الفتنة اولئك اصحاب محمد ﷺ كانوا افضل هذه الامة ابرها قلوبا واعمقها علما واقلها تكلفا اختارهم الله لصحبة نبيه ولاقامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوا على اثرهم وتمسكوا بما استطعتم من اخلاقهم وسيرهم فانهم كانوا على الهدى المستقيم (رواہ رزین)

ترجمہ: جو اقتداء کرنا چاہے وہ فوت شدہ لوگوں کی اقتداء کرے کیونکہ زندہ شخص فتنے سے امن میں نہیں وہ فوت شدہ لوگ اصحاب محمد ﷺ ہیں اس امت کے افضل ہیں سب سے زیادہ نیک دل ہیں علم ان کا سب سے گہرا ہے اور تکلف ان میں بہت کم ہے خداوند تعالی نے اپنے نبی کی صحبت کے لئے اور آقامت دین کے لئے ان کو منتخب کیا پس ان کی بزرگی پہچانو ان کے قدم بقدم چلو اور حتی الوسع ان کے اخلاق اور ان کی سیرتوں سے چنگل مارو کیونکہ وہ سیدھے راستہ پر تھے۔

اس کے علاوہ یہ ایک مسلم چیز ہے کہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے اعلی پایہ پر ہے اور فصیح و بلیغ کلام وہی ہوتی ہے جو مخاطب کے حسب حال ہو اگر مخاطب

....

[1] نئے کام سے مراد دین میں نیا ہے ۱۲

کے فہم سے بالاتر ہو تو فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ مقام پر تو کیا ادنی درجہ کی بھی فصیح و بلیغ نہیں کیوں کہ کلام مخاطب کی خاطر ہوتی ہے جب مخاطب نے اس سے سمجھا ہی کچھ نہیں تو کلام کیا صوت حیوانی ہوئی پس یہ نہیں ہو سکتا کہ اول مخاطب صحابہ کرامؓ قرآن کی صحیح تفسیر سے محروم رہ گئے ہوں بلکہ جو کچھ انہوں نے سمجھا وہی صحیح ہے۔

پھر عام طور پر دنیا آپس میں کلام کرتی ہے اور ایک دوسرے کے مطلب کو سمجھتی ہے اور کتابیں بھی لکھتی ہے اور لوگ ان سے مستفید ہوتے ہیں اور مصنف کی مراد کو عام طور پر سمجھتے ہیں کیا خدا ہی معاذ اللہ ایسا کمزور ہو گیا کہ وہ اپنا مقصد نہیں سمجھا سکا یہاں تک کہ قرن اول کو قرآن مجید سے ہدایت نہیں ملی پھر یہ کس قدر حیرانی کی بات ہے کہ خدا تعالیٰ تو اس وقت کے مخاطبوں پر احسان جتاتا ہوا فرمائے،

انا انزلنه قرآنا عربيا لعلكم تعقلون (سورہ یوسف آیت ۲ پارہ ۱۲)

ہم نے قرآن عربی زبان میں اتارا تا کہ تم سمجھو۔

اور ہم اس کے الٹ ان کی تفسیر کو صحیح نہ سمجھیں حالانکہ اس میں شبہ نہیں کہ یہ احسان خاص انہی پر ہے نہ کہ ہم پر کیوں کہ ہماری زبان عربی نہیں پس یہ احسان چاہتا ہے کہ ان کا سمجھنا صحیح ہے اور ان کے خلاف غلط۔

یہی وہ وجوہات ہیں جن کی بنا پر آخر گمراہ فرقوں کو اس بات کا اقرار کرنا پڑا کہ قرآن فہمی کا اصل اصول مخاطب اول کا فہم ہے علامہ زمخشری رئیس المعتزلہ جن کو عربیت کا بڑا دعویٰ ہے ان کے متعلق صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں۔ **لیس الزمخشری لا**

نحصار تلقی التفسیر من الاحادیث والاثار بجاحد (جلد۲ باب الکاف صفحہ۱۱۰)
علامہ زمخشری اس بات سے منکر نہیں کہ قرآن مجید کی تفسیر کا ذریعہ صرف احادیث اور اقوال صحابہ ہی ہیں۔

ہندوستان میں گمراہ فرقوں کے جدامجد سید احمد نیچری ہیں جو علی گڑھ کالج کے بانی ہیں فتح محمد صاحب ہوشیار پوری جو پہلے نیچری خیال تھے پھر خدا نے انکو ہدایت دی وہ اپنے ایک مضمون میں سر سید احمد صاحب سے نقل کرتے ہیں کہ قرآن مجید کے معانی وہی معتبر ہوں گے۔ جو اس وقت (زمانہ نزول وحی) کے لوگوں نے سمجھے تھے۔ چنانچہ انکے اصل الفاظ یہ ہیں۔

''سید صاحب خود فرماتے ہیں کہ الفاظ قرآن مجید کے وہی معنی لئے جائیں گے۔ جو ان پڑھ اہل عرب (صحابہ وغیرہ) انکے معنی حقیقی یا مجازی موافق اپنی بول چال کے سمجھتے تھے نہ وہ کہ کسی علم کے عالموں نے بموجب اپنی اصطلاح کے قرار دیئے۔ کیوں کہ خدا تعالی فرماتا ہے،

وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه (اشاعت السنہ جلد پنجم نمبر۸ صفحہ۲۳۱)

ایک غلط فہمی کا ازالہ:۔

اس میں شبہ نہیں کہ ہر ملک وملت، ہر قوم، ہر برادری، ہر سوسائٹی، ہر فن، ہر صنعت وغیرہ کی کچھ اصطلاحات کچھ محاورات کچھ خصوصیات ہوتی ہیں جن کے سمجھنے کے لئے انہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے مثلاً ازدواجی زندگی میں لفظ نکاح ہے اس

کے مقابلہ میں ہندی میں لفظ بواہ ہے لیکن نکاح سے جو مسلمان کے سامنے تصور آتا وہ تصور لفظ بواہ سے ہندو کے سامنے نہیں آتا کیوں کہ ہندوؤں کے ہاں پھیرے وغیرہ ہیں اور مسلمانوں کے ہاں ایجاب قبول وغیرہ ہے ایسے ہی رسول، نبی، رشی، منی، وغیرہ کے الفاظ ہیں اسی طرح کفر واسلام وغیرہ اصطلاحیں ہیں لغوی معنی سے ایک موحد کو بھی کافر کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ بتوں وغیرہ سے منکر ہے لیکن عام بول چال میں کافر سے مراد غیر مسلم ہوتا ہے اس قسم کے محاورات اصطلاحات بہت ہیں جن کی تفصیل مشکل ہے آپ اپنے کاروبار پر نظر ڈالیں تجارت، زمیندارہ، صنعت وغیرہ ہر ایک کی الگ الگ اصطلاحات ہیں۔ کوئی انجمن، کوئی سوسائٹی قائم ہوتی ہے تو وہ اپنے قواعد وضوابط بناتے ہوئے کچھ الفاظ ایسے مقرر کر لیتے ہیں جن سے وہ خاص مفہوم مراد لیتے ہیں ایسے ہی حکومت کے محکموں میں علیحدہ علیحدہ اصطلاحات ہیں آپ ذرا سی وسیع نظر ڈالیں گے تو آپ کو اس قسم کے محاورات و اصطلاحات کا یک دریا موجزن دکھائی دے گا کیونکہ دنیا کا سارا سلسلہ ہی انہی سے وابستہ ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر ایک اپنے فن کا ماہر ہوتا ہے اور اس فن کے اصطلاحات کو بخوبی سمجھتا ہے اور دوسرا ان کا محتاج ہے۔

گمراہی کا باعث غلطی:۔

اس تمہید کے بعد ایک ڈبل غلطی سنئے! جو عام طور پر گمراہی کا باعث ہے وہ یہ کہ جب کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر احادیث اور آثار صحابہ سے کرنی چاہئے تو

فی الفور آگے سے جواب ملتا ہے کہ کیا قرآن مجید، احادیث اور اقوال الرجال کا محتاج ہے یہ تو قرآن مجید کی توہین ہے کہ وہ خود اپنا مطلب ادا نہیں کرسکتا جب تک اس کو غیر کا سہارا نہ ملے اس کا جواب ہمارے علماء یہ دیتے ہیں کہ قرآن مجید محتاج نہیں بلکہ اس کا مطلب سمجھنے میں، ہم احادیث اور آثار کے محتاج ہیں لیکن اس پر بھی بظاہر وہی اعتراض ہے کہ ہم تب ہی محتاج ہیں جب قرآن مجید خود اپنا مطلب ہمیں نہیں سمجھا سکتا گویا اور کوئی ہم سے بات چیت کرے تو اس کا مطلب ہم براہ راست سمجھتے ہیں لیکن خدا قادر نہیں ہے تمہید مذکورہ سے اس کا جواب واضح ہو گیا۔

اصطلاحات ومحاورات کے سمجھنے کا انحصار واضع پر ہوتا ہے:۔

وہ یوں کہ مثلاً ایک اخبار میں یہ خبر شائع ہوئی کہ فلاں شخص کو زیر دفعہ ۳۲۵ اتنی قید ہوئی یا فلاں کو ۴۲۰ دفعہ لگائی گئی یا فلاں ۴۹۸ کا مجرم ہے تو جو ان اصطلاحات سے واقف ہے وہ فوراً سمجھ جائیں گے کہ پہلا شخص مثلاً ضرب شدید کا مرتکب ہوا ہے اور دوسرے نے دھوکا دیا ہے اور تیسرے نے نکاح پر نکاح کیا ہے اور جو واقف نہیں وہ اگر سمجھنا چاہے تو اس کو واقف کی طرف رجوع کرنا پڑے گا یا جنہوں نے یہ دفعات بنائی ہیں ان سے پوچھے گا وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اخبار کی تحریر ناقص ہے بلکہ اپنی جہالت کا اقرار کرے گا کہ میں نے ان الفاظ کے معنی نہیں سیکھے اس لئے میں نہیں سمجھ سکا ٹھیک اسی طرح جو صلوٰۃ، زکوٰۃ اور قرآن مجید کے دیگر محاورات سے واقف نہ ہو اگر وہ قرآن مجید کا مطلب نہ سمجھے تو یہ کلام الٰہی کا نقص نہیں بلکہ اس کی اپنی کم علمی ہے اور اس سے ایک اور بہت بڑا مسئلہ بھی حل ہو گیا وہ یہ کہ اصطلاحات ومحاورات کا اصل پتہ

اصطلاحات ومحاورات مقرر کرنے والے سے لگتا ہے آگے پھر تعلیم تعلم کا سلسلہ جاری ہوجاتا ہے اور شریعت چونکہ خدا تعالی نے مقرر کی ہے اس لئے ان اصطلاحات کا علم بھی خدا ہی کی طرف سے ہوگا اور یہ بات ظاہر ہے کہ خدا براہ راست بندوں سے نہیں بولتا بلکہ نبی کی زبان پر بولتا ہے پس اس سے لازم آیا کہ قرآن مجید کے علاوہ بھی کوئی وحی ہو جس میں یہ تفصیلات ہوں اب اس کے ساتھ قرآن مجید کی یہ آیت ملا دیں،

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (پارہ۲۷)

محمد ﷺ اپنی خواہش سے نہیں بولتے جو بولتے ہیں وہ خدا کی طرف سے وحی ہوتی ہے

منکرین حدیث تو اس آیت کو صرف قرآن مجید پر چسپاں کرتے ہیں مگر جب قرآن مجید کے علاوہ وحی ثابت ہوگئی تو یہ آیت اپنے عموم [1] پر رہی اس بنا پر جتنی احادیث ہیں سب وحی میں شامل ہوگئیں علاوہ اس کے ایک اور زبردست دلیل

---

[1] بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے شہد اپنے اوپر حرام کرلیا تو سورہ تحریم میں اس پر ڈانٹ آئی ۔**لم تحرم ما احل اللہ لک** (پارہ۲۸)۔کیوں حرام کرتا ہے وہ چیز جو اللہ نے تیرے لئے حلال کی ہے تو بیویوں کی مرضی چاہتا ہے اسی طرح اور کئی واقعات ہوئے تو پھر عموم کس طرح صحیح ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب آپؐ نے شہد حرام کیا تو بیوی کو پوشیدہ کہا کہ اس کی کسی کو خبر نہ دینا۔اور قرآن میں بھی اس طرف اشارہ کیا ہے کہ نبیؐ نے بیوی کو پوشیدہ بات کہی تو اس سے معلوم ہوگیا کہ یہ تحریم وحی نہیں۔کیونکہ وحی کے متعلق ارشاد الٰہی ہے **بلغ ما انزل الیک من ربک** وحی کو آگے پہنچادو جب اس حدیث ہی سے پتہ چل گیا کہ یہ تحریم وحی نہیں۔تو پھر اعتراض کیا ہوا **وما ینطق عن الھوی** کا یہ معنی تو کسی نے بھی نہیں کیا کہ جس بات کو آپؐ اپنی رائے فرمادیں اس کو بھی یہ آیت خواہ مخواہ وحی بنادے ۔اسی طرح دوسرے واقعات خیال کرلیں۔غرض جب قرآن سے پتہ چل جائے کہ فلاں بات آپ کی رائے ہے تو وہ **وما ینطق** کے تحت نہیں آئے گی باقی میں عموم بدستور قائم ہے۱۲

حدیث کے وحی ہونے کی یہ ہے کہ منکرین حدیث حدیث کو تاریخی حیثیت سے مانتے ہیں جیسے مودودی صاحب کے کلام میں صفحہ ۱۱۸ پر آئے گا۔ یعنی جیسے قوموں اور بڑی بڑی شخصیتوں کے حالات لکھے جاتے ہیں اسی طرح احادیث رسول ﷺ کے حالات ہیں اور جب حالات کی حیثیت سے ان کو تسلیم کر لیا تو حالات میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ خدا سے روایت کرتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ خدا یوں فرماتا ہے جیسے احادیث قدسیہ میں صفحہ ۴۰، ۴۱ پر گزر چکا ہے پس قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی ثابت ہوگئی اور آیت کریمہ **وما ینطق عن الھوی** اپنے عموم پر رہی جس کے تحت سب احادیث آجاتی ہیں۔

حجیت حدیث پر ادلہ اربعہ:۔

اس کے علاوہ چار دلائل ہم اور ذکر کرتے ہیں۔

۱. مودودی صاحب کے کلام میں صفحہ ۵۱، ۵۲ پر گزر چکا ہے کہ خدا تعالی نے انسانوں سے بالخصوص رسولوں کا انتخاب اسی لئے کیا ہے کہ انکا قول وعمل کتاب اللہ کی تفسیر ہو اور لوگ اس کو اپنے لئے اسوہ حسنہ بنائیں اس سے بھی معلوم ہوا کہ حدیث قرآن مجید سے الگ نہیں بلکہ وحی میں شامل ہے۔

۲. اللہ تعالی نے سورہ اعراف کے رکوع ۱۹ کی آخری آیت میں نبی امی کی اتباع کا ذکر الگ فرمایا ہے اور قرآن مجید کی اتباع کا الگ پھر ان دونوں پر فلاح کا وعدہ دیا ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ حدیث وحی ہے کیونکہ قرآن مجید کی طرح حدیث پر بھی

فلاح کا مدار ہے۔

۳. رسول اللہ ﷺ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر شہد پیا کرتے تھے اس پر دوسری بیویوں کو شک آیا ان کی خاطر آپ نے شہد اپنے اوپر حرام کرلیا جس بیوی کے پاس آپ نے قسم کھائی کہ میں آئندہ شہد نہیں پیوں گا اس کو ہدایت کی کہ اس پر کسی کو اطلاع نہ دینا مگر اس بیوی نے اس راز کو فاش کر دیا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی اطلاع کی کہ تیرا راز بیوی نے پوشیدہ نہیں رکھا آپ ﷺ نے بیوی سے اس کے متعلق پوچھا تو بیوی نے کہا آپ ﷺ کو میرے راز فاش کرنے کا کس طرح پتہ لگا آپ ﷺ نے فرمایا مجھے میرے علیم وخبیر نے اطلاع دی ہے۔

چنانچہ سورہ تحریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **قال نبانی العلیم الخبیر** (پارہ ۲۸)

یعنی نبی ﷺ نے فرمایا مجھے جاننے والے خبردار نے خبر دی ہے۔

جس وحی کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے اس کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے علاوہ اور بھی وحی ہے۔

۴. سورہ الانفال میں جنگ بدر کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

واذ یعدکم اللہ احدی الطایفتین انھا لکم۔ (پارہ ۹)

”یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں دو جماعتوں (قافلہ ابی سفیان اور لشکر قریش) سے ایک کا وعدہ دیتا تھا کہ وہ تمہارے لئے ہے یعنی تمہاری ان پر فتح ہے“

یہ ایک وعدہ کی حکایت ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں نہیں پس معلوم ہوا کہ

وحی قرآنی کے علاوہ بھی کوئی وحی ہے جس کے ذریعہ سے یہ وعدہ دیا گیا ہے کہ دونوں جماعتوں میں ضرور ایک جماعت تمہارے حصہ میں آئے گی۔

اس قسم کے اور دلائل بھی ہیں جن سے ہم منکرین حدیث کو قائل کرتے ہیں اب بحث صرف حدیث کے ہم تک پہنچنے میں رہی لیکن مودودی صاحب نے ہمیں اس بوجھ سے بھی ہلکا کر دیا ہے چنانچہ انہوں نے صاف لکھ دیا ہے کہ تاریخ میں احادیث سے بڑھ کر کوئی مستند ذخیرہ نہیں ہوسکتا کیونکہ محدثین نے تحقیق کے وہ تمام معتبر ذرائع جو انسان کے امکان ہیں وہ سب اس گروہ نے استعمال کر لئے ہیں اور ایسی سختی کے ساتھ استعمال کئے ہیں کہ کسی دور تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

(تفہیمات جلد اول صفحہ ۳۵۵ وغیرہ)

یہی حال آثار کا ہے کیونکہ محدثین نے آثار میں بھی وہی ذرائع استعمال کئے ہیں جو احادیث میں کئے اب یہاں پر یہ بات باقی رہ گئی کہ جب یہ سب کچھ مسلمات سے ہے تو پھر لوگ یہ شاہراہ چھوڑ کر پگ ڈنڈیوں میں کس طرح پڑ جاتے ہیں اور پگ ڈنڈیاں کس طرح پیدا ہوتی ہیں۔

پگ ڈنڈیوں کا بیان:۔

یہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اہل بدعت جدت پسند ہوتے ہیں اور ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ایسی نمائش کریں جس سے فروغ ہو اور دنیا ان کی طرف رجوع کرے کیونکہ عام دنیا نمائش کی گرویدہ ہوتی ہے اس لئے اہل بدعت نئے نئے رخنے اسلام

میں پیدا کرتے ہیں اور کل جدید لذیذ کے تحت اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔ پہلی چیز جس سے گمراہ فرقوں کو رخنہ اندازی کی گنجائش ملتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے طریق وصول میں اور حدیث کے طریق وصول میں فرق ہے یعنی قرآن مجید ہم تک بذریعہ تواتر پہنچا ہے حدیث کچھ بذریعہ تواتر اور کچھ بذریعہ احاد تواتر کا مطلب یہ ہے کہ خبر دینے والے بہت ہوں یہاں تک کہ عقل کے نزدیک عادۃً غلطی کا امکان نہ رہے اور احاد کے معنی افراد کے ہیں یعنی خبر دینے والا ایک فرد ہو یا کئی افراد ہوں مگر عقل کے نزدیک عادۃً غلطی کا امکان رہے ایسی خبر کو خبر واحد یا خبر احاد کہتے ہیں تواتر کی مثال یوں سمجھئے جیسے فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رسول ﷺ کی صاحبزادی ہونا یہ خبر بس اتنے واسطوں سے پہنچی ہے کہ اس کا غلط ہونا عقل کے نزدیک عادۃً محال ہے اگر کوئی اہل اسلام سے اس میں غلطی کا امکان مانے تو اسلامی دنیا اس کو پاگل سمجھے گی۔

خبر واحد کی مثال یہ ہے کہ فاطمۃ الزہریٰ آپ ﷺ کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں اس خبر کے دینے والے اتنے افراد نہیں کہ عقل کے نزدیک ان کی غلطی عادۃً محال ہو بلکہ غلطی کا امکان ہے مگر اس امکان کے یہ معنی نہیں کہ خبر سچی نہیں بلکہ خبر بالکل سچی ہے اور اس پر پورا اعتماد ہے کیونکہ خبر دینے والے راوی معتبر اور ثقہ ہیں بلکہ اس امکان کا مطلب صرف اتنا ہوتا ہے کہ اس راوی سے کوئی زیادہ ثقہ یا زیادہ معتبر اس کے خلاف خبر دے تو پھر اس کی روایت کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ اس کو غلط سمجھ کر ترک کر دیا جائے گا اور اگر کوئی اس کے برابر کا اس کے خلاف خبر دے تو اس صورت میں دونوں

روایتیں مشکوک ہوجائیں گی کسی پر عمل نہیں ہوگا پس غلطی کے امکان کا یہ مطلب ہے نہ یہ کہ خلاف نہ ہونے کی صورت میں بھی اس کی تصدیق نہیں ہوگی یا معتبر نہیں سمجھی جائے گی اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی مقدمہ میں تحصیلدار کی شہادت پٹواری کی شہادت کے خلاف ہوتو پٹواری کی شہادت رد ہوجائے گی مگر یہ کوئی نہیں کہتا کہ اگر تحصیل دار خلاف نہ ہوتو پھر پٹواری کی شہادت کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ بالاتفاق معتبر ہوگی اسی طرح ایک تحصیلدار کی شہادت کے خلاف دوسرے تحصیل دار کی شہادت ہوتو دونوں شہادتیں مشکوک ہوجائیں گی۔

اور اگر خلاف نہ ہوتو تحصیل دار کی شہادت بڑی زبردست اور مضبوط شہادت ہوگی ایسے ہی ڈپٹی کمشنر اور کمشنر اوپر تک سمجھ لیں ٹھیک اسی طرح خبر واحد کو سمجھ لینا چاہئے بس خبر دینے والا جتنا بڑا ہوگا اتنی اس کی خبر مضبوط اور پختہ ہوگی۔

خبر متواتر اور خبر واحد میں فرق:۔

اور خبر متواتر مضبوطی اور پختگی میں چونکہ علم کا انتہائی درجہ ہے اس لئے وہاں خلاف کی گنجائش ہی نہیں بلکہ خلاف عادۃً محال ہے جیسے تواتر سے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہ مکہ وہی شہر ہے جہاں رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے اور مدینہ وہی شہر ہے جہاں آپ ﷺ نے ہجرت کی ہے اب اس کے خلاف کوئی خبر دے ہی نہیں سکتا اگر دے تو وہ پاگل ہوگا کیونکہ اتنی دنیا کی خبر کا غلط ہونا عقل کے نزدیک عادۃ ناممکن ہے خلاصہ یہ کہ خبر متواتر اور خبر واحد میں فرق محال عدم محال کا ہے ورنہ دونوں معتبر ومصدقہ ہیں اور

دونوں پر اعتقاد رکھنا اور ایمان لانا ضروری ہے خبر متواتر اور خبر واحد چونکہ دونوں کے مراتب علم میں فرق ہے اس لئے ان دونوں کے حکم میں بھی فرق ہوگا۔ خبر متواتر کا منکر کافر ہے اور خبر واحد کا منکر فاسق و فاجر اور گمراہ ہے اور اسی فرق مراتب کو ظاہر کرنے کیلئے علماء (فقہاء محدثین) نے ان دونوں کے علم کا نام علیحدہ علیحدہ رکھ دیا ہے خبر متواتر سے جو علم حاصل ہوتا ہے اس کا نام یقین ہے اور خبر واحد سے جو علم حاصل ہوتا ہے اس کا نام ظن ہے لیکن یہ وہ ظن نہیں جس کو عام بول چال میں ظن غالب کہتے ہیں بلکہ اس ظن کو ہم اپنے بول چال میں یقین سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں مجھے تو فلاں کی بات پر یقین ہے مطلب اس کا یہ ہوتا ہے کہ مجھے تو فلاں کی بات پر بالکل اطمینان اور تسلی ہے۔ کسی قسم کا شبہ یا وہم نہیں اور بعض دفعہ محدثین بھی اسی بات پر جس کے متعلق پورا اطمینان اور تسلی ہو یقین کا لفظ بول دیتے ہیں ملاحظہ ہو مقدمہ مسلم بحث عنعنہ صفحہ ۲۲ اور ترمذی بحث سجدہ سہو زیر حدیث ذوالیدین اور ظن غالب سے مراد ہوتی ہے کہ پوری تسلی نہیں کچھ تردد ہے اس مقام میں بہت لوگ غلطیاں کرتے ہیں فقہاء و محدثین جب خبر واحد کی نسبت ظن کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو یہ لوگ اپنی بول چال کے مطابق ظن غالب سمجھ لیتے ہیں اور اس سے پھر بڑے الٹ پلٹ نتائج برآمد کرتے ہوئے حدیث کو پایہ اعتبار سے ساقط کرنے کی کوشش کرتے ہیں خاص کر جن کا علم استادی نہیں ہوتا اور صرف اپنے مطالعہ کی وسعت سے کچھ واقفیت پیدا کر لیتے ہیں وہ اس قسم کے مقامات میں بہت ٹھوکریں کھاتے ہیں اسی لئے مشہور ہے ،

من کان استادہ الکتاب فخطاہ اکثر من الصواب۔

یعنی جس کا استاد کتاب ہو اس کا علم غلط بہت ہوتا ہے اور درست کم۔

انہی میں سے ایک مودودی صاحب بھی ہیں چنانچہ مولانا کفایت اللہ صاحب دہلوی جو حنفیہ میں بہت بڑے مفتی ہوئے ہیں لکھتے ہیں:

مودودی جماعت کے افسر مولوی ابوالاعلیٰ مودودی کو میں جانتا ہوں وہ کسی معتبر اور معتمد علیہ عالم کے شاگرد اور فیض یافتہ نہیں ہیں اگرچہ ان کی نظر اپنے مطالعہ کی وسعت کے لحاظ سے وسیع ہے تاہم دینی رجحان ضعیف ہے۔

(رسالہ حقائق مودودیت از محمد داؤد راز مومن پورہ بمبئی)

مولانا کفایت اللہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے مودودی صاحب کی تحریرات دیکھنے سے اُس کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک دو مقام ملاحظہ ہوں۔

مقام اول:۔

حکومت کی طرف سے عائلی قوانین کے لئے ایک کمیشن مقرر ہے اس نے بغرض جوابات ایک سوالنامہ شائع کیا اس کا ساتواں سوال یہ ہے "کیا آپ اس سے متفق ہیں کہ ازروئے قانون یہ صحیح تسلیم کیا جائے کہ معاہدہ ازدواج میں یہ شرط درج ہوسکتی ہے کہ عورت کو بھی اعلان طلاق کا وہی حق حاصل ہوگا جو مرد کو حاصل ہے۔

مولانا مودودی اور تفویض طلاق:۔

مودودی صاحب اس کے جواب میں لکھتے ہیں:۔

اگر ایجاب و قبول کے وقت عورت یہ کہے کہ میں اپنے آپ کو تیرے نکاح میں اس شرط کے ساتھ دیتی ہوں کہ میں جب چاہوں اپنے اوپر طلاق وارد کرنے کی مختار ہوں گی اور مرد اسے قبول کر لے تو قانوناً اس شرط کو درست تسلیم کیا جا سکتا ہے یہ صورت تفویض طلاق کی ہے اور فقہا نے اسے جائز رکھا ہے۔

(تسنیم جلد ۹ نمبر ۳۱۹-۶-۵-۱۳۷۵ مطابق ۱-۱۹-۵۶ صفحہ ۳)

مودودی صاحب نے یہاں تو ایسی غیر معقول بات کہی ہے کہ ابجد خواں بھی نہیں کہہ سکتا کون نہیں جانتا کہ جب ایک شخص کسی شے کا مالک ہی نہیں تو وہ تفویض (سپرد) کیا کرے گا؟ مرد طلاق کا مالک نکاح کے بعد ہوتا ہے اور مودودی صاحب نے جو تفویض طلاق کے الفاظ ذکر کئے ہیں وہ عقد کے درمیان ہیں تو پھر تفویض کس طرح درست ہوئی؟

پھر مودودی صاحب نے بڑی جرات کے ساتھ اس کو فقہا کا مسلک بنا دیا حالانکہ فقہ میں اس کا نام ونشان نہیں۔

مولانا مودودی کی غلطی:۔

پھر ایک ڈبل غلطی یہاں اور کی ہے وہ یہ کہ تفویض طلاق ایک وقتی چیز ہے مثلاً خاوند عورت کو کہتا ہے کہ فلاں وقت تک طلاق تیرے اختیار میں ہے تو یہ ایک عارضی اختیار ہے جو وقت کے گزرنے پر ختم ہو جاتا ہے جیسے قرآن مجید کے پارہ ۲۱ کے اخیر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی بیویوں کے متعلق اختیار دینے کا حکم ہوا جو وقتی چیز تھی۔

تا زندگی عورت کو طلاق کا مستقل مالک بنا دینا اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ماتحت اپنے افسر کو جب چاہے معزول کر سکے تو وہ افسر کیا ہوا۔

یہاں ایک واقعہ یاد آگیا وہ یہ کہ ہمایوں بادشاہ جب دریا گنگا میں غوطے کھانے لگا تو اس کے سقہ نے اس کی جان بچائی۔ اس کے بعد جب ہمایوں تخت دہلی پر بحال ہوا تو سقہ سے کہا مانگ جو مانگتا ہے سقہ نے آدھے دن کی بادشاہی مانگی اور اپنی مشک کے ٹکڑے کر کے وہاں پر اپنا سکہ چلا دیا اگر سقہ تا حیات بادشاہی مانگ لیتا تو کیا پھر ہمایوں بادشاہ رہ جاتا ٹھیک اسی طرح مرد اپنے گھریلو نظام میں چھوٹا سا بادشاہ ہے قرآن مجید میں ہے **الرجال قوامون** (الایۃ) یعنی ''مرد عورتوں پر حاکم ہیں بوجہ ذاتی فضیلت کے اور بوجہ نان ونفقہ کی ذمہ داری کے''

خاوند کا عوت کو مستقل اختیار دینا یہ اس آیت کے خلاف ہے اور جو شرط قرآن و حدیث کے خلاف ہو وہ باطل ہوتی ہے پس خاوند کو یہ اختیار نہیں کہ وہ طلاق کا معاملہ مستقل طور پر عورت کے حوالے کر دے پھر مودودیؒ نے یہاں بھی جرات کی اور اس کو بھی فقہا کی طرف منسوب کر دیا اسی طرح آپ نامعقول باتیں گھڑ گھڑ کے کبھی محدثین پر تھوپتے ہیں کبھی فقہا پر اس فن میں آپ کی کتاب تفہیمات بڑی معرکہ کی کتاب ہے اور سوالنامہ مذکور کے جوابات میں بھی آپ نے بہت گل کھلائے ہیں ہم کچھ تفصیل کرتے مگر یہاں گنجائش نہیں خدا کو منظور ہوا تو کسی اور فرصت میں سہی۔

مقام دوم:۔

مودودی صاحب کا خیال ہے کہ صحت وضعف احادیث میں محدثین کے قواعد کی پابندی ہم پرضروری نہیں اس کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ان (محدثین) کی نگاہ میں احادیث کے معتبر ہونے کا جو معیار ہے ٹھیک ٹھیک اسی معیار کی ہم بھی پابندی کردیں مثلاً مشہور (حدیث) کوشاذ پر مرفوع کو مرسل پر اور مسلسل کو منقطع پر لازماً ترجیح دیں۔اوران کی کھینچی ہوئی حد سے یک سر مو تجاوز نہ کریں یہی وہ مسلک ہے جس کی شدت نے بہت سے کم علم لوگوں کو حدیث کی کلی مخالفت کی طرف دھکیل دیا ہے''۔(تفہیمات جلداول صفحہ ۳۵۶)

مولانا مودودی کا مبلغ علم:۔

مودودی صاحب کی مثال اندھوں میں کانا راجہ کی ہے ان کی جماعت خدا جانے علمی میدان میں انکو کتنا بڑا انسان سمجھتی ہے کہ ان کی اندھی تقلید کررہی ہے حالانکہ حال ان کا یہ ہے کہ جس فن پر وہ تنقید کررہے ہیں اس کے معمولی مسائل کا بھی پتہ نہیں شاذ کے مقابلہ میں محفوظ ہے اور مرفوع کے مقابلہ میں موقوف ہے اور منقطع کے مقابلہ میں متصل ہے مودودی صاحب چونکہ زمانہ حال کے مجدد ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ہر چیز میں جدت پیدا کریں اور جماعت کی طرف سے آواز آئے سبحان اللہ ۔

یہ ٹھہرے ہیں دین کے رہنما اب
لقب ان کا ہے وارث انبیاء اب

اصل بات یہ ہے کہ کامل استاد کے بغیر انسان کا علم پختہ نہیں ہوتا اور جب علم پختہ نہ ہو تو پھر اس کی بات کا توازن قائم نہیں رہتا مودودی صاحب نے حدیث کا پایا جتنا بلند کیا تھا ظن کی دلدل میں پھنس کر اتنا ہی اس کو نیچے گرا دیا چنانچہ لکھتے ہیں۔

۱. احادیث چند انسانوں سے چند انسانوں تک پہنچی ہیں جن سے اگر کوئی چیز حد سے حد ثابت ہو سکتی ہے تو وہ گمان صحت ہے نہ علم یقین۔

(ترجمان القرآن ربیع الاول ۱۳۶۵ھ)

۲. یہ بھی مسلم ہے کہ نقد احادیث کے لئے جو مواد انہوں نے فراہم کیا ہے وہ صدر اول کے اخبار و آثار کی تحقیق میں بہت کار آمد ہے کلام اس میں نہیں بلکہ اس امر میں ہے کہ کلیۃً ان پر اعتماد کرنا کہاں تک درست ہے؟ وہ بہر حال تھے تو انسان ہی انسان کے لئے جو حدیں فطرۃ اللہ نے مقرر کر رکھی ہیں ان سے آگے تو وہ نہیں جا سکتے انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے اس سے تو ان کے کام محفوظ نہ تھے۔

(تفہیمات جلد اول صفحہ ۳۵۶)

۳. دوسری اہم چیز سلسلہ اسناد ہے محدثین نے ایک ایک حدیث کے متعلق یہ تحقیق کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ راوی جس شخص سے روایت لیتا ہے آیا اس کا ہمعصر تھا یا نہیں ہم عصر تھا تو اس سے ملا بھی تھا یا نہیں اور ملا تھا تو آیا یہ خاص حدیث خود اس سے سنی یا کسی اور سے سن لی اور اس کا حوالہ نہیں دیا ان سب چیزوں کی تحقیق کہ یہ سب امور ان کو ٹھیک ٹھیک معلوم ہو گئے ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ جس روایت کو متصل

السند قرار دیتے رہے ہیں۔ وہ درحقیقت منقطع ہو اور انہیں یہ معلوم نہ ہوسکا ہو کہ بیچ میں کوئی ایسا مجہول راوی چھوٹ گیا ہے۔ جو ثقہ نہ تھا اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ جو روایتیں مرسل یا معضل یا منقطع ہیں اور اس بنا پر پایہ اعتبار سے گری ہوئی سمجھی جاتی ہیں ان میں سے بعض ثقہ راویوں سے آئی ہوں اور بالکل صحیح ہوں یہ اور ایسے ہی بہت سے امور ہیں جن کی بنا پر اسناد اور جرح تعدیل کے علم کو کلیۃ صحیح نہیں سمجھا جاسکتا۔ یہ مواد اس حد تک قابل اعتماد ضرور ہے کہ سنت نبوی ﷺ اور آثار صحابہؓ کی تحقیق میں اس سے مدد لی جائے اور اس کا مناسب لحاظ کیا جائے مگر اس قابل نہیں ہے کہ بالکل اس پر اعتماد کرلیا جائے۔ (تفہیمات جلد اول صفحہ ۳۵۹ـ۳۶۰)

۴. کیا ضرور ہے کہ جس کو انہوں (محدثین) نے ثقہ قرار دیا ہو وہ بالیقین ثقہ اور تمام روایتوں میں ثقہ ہو اور جس کو انہوں نے غیر ثقہ ٹھہرایا ہو وہ بالیقین غیر ثقہ ہو اور اس کی تمام روایتیں پایہ اعتبار سے ساقط ہوں۔ (تفہیمات جلد اول ص ۳۵۹)

۵. آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جس کو وہ (محدثین) صحیح قرار دیتے ہیں وہ درحقیقت صحیح ہے صحت کا کامل یقین تو ان کو بھی نہ تھا وہ بھی زیادہ سے زیادہ یہی کہتے تھے کہ اس حدیث کی صحت کا ظن غالب ہے۔ مزید براں یہ کہ ظن غالب جس بنا پر ان کو حاصل تھا وہ بلحاظ روایت تھا نہ کہ بلحاظ درایت انکا نقطہ نظر زیادہ تر اخباری ہوتا تھا فقہ ان کا اصل موضوع نہ تھا اس لئے نہ فقیہانہ نقطہ نظر سے احادیث کے متعلق رائے قائم کرنے میں وہ فقہاء مجتہدین کی نسبت کمزور تھے پس ان کے کمالات کا

جائز اعتراف کرتے ہوئے یہ ماننا پڑے گا کہ احادیث کے متعلق جو کچھ بھی تحقیقات انہوں نے کی ہے اس میں دو طرح کی کمزوریاں موجود ہیں ایک بلحاظ اسناد دوسرے بلحاظ تفقہ۔ (تفہیمات جلد اول ص ۳۵۶)

۶۔ محدثین رحمہم اللہ کا خاص موضوع اخبار و آثار کی تحقیق بلحاظ روایت کرنا تھا اس لئے ان پر اخباری نقطہ نظر غالب ہو گیا تھا اور وہ روایت کو معتبر غیر معتبر قرار دینے میں زیادہ تر صرف اسی چیز کا لحاظ فرماتے تھے کہ اسناد اور رجال کے لحاظ سے وہ کیسی ہیں رہا فقیہانہ نقطہ نظر تو وہ ان کے موضوع خاص سے ایک حد تک غیر متعلق تھا اس لئے اکثر وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا تھا اور وہ روایات پر اس حیثیت سے کم ہی نگاہ ڈالتے تھے اسی وجہ سے اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک روایت کو انہوں نے صحیح قرار دیا ہے حالانکہ معنی کے لحاظ سے وہ زیادہ اعتبار کے قابل نہیں اور ایک دوسری روایت کو وہ قلیل الاعتبار قرار دے گئے ہیں حالانکہ معنیٰ وہ صحیح معلوم ہوتی ہے یہاں اس کا موقع نہیں کہ مثالیں دے کر تفصیل کے ساتھ اس پہلو کی توضیح کی جائے مگر جو لوگ امور شریعت میں نظر رکھتے ہیں ان سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ محدثانہ نقطہ بکثرت مواقع پر فقیہانہ نقطہ نظر سے ٹکرا گیا ہے اور محدثین صحیح احادیث سے استنباط احکام و مسائل میں وہ توازن اور اعتدال ملحوظ نہیں رکھ سکے ہیں جو فقیہانہ مجتہدین نے رکھا ہے۔

(تفہیمات جلد اول صفحہ ۳۶۵)

۷۔ یہ بات ناقابل انکار ہے کہ جیسا مستند اور معتبر ذریعہ قرآن مجید ہے ویسا

مستند اور معتبر ذریعہ حدیث نہیں ہے اس لئے صحت کا اصلی معیار قرآن ہی ہونا چاہئے۔

(تفہیمات جلد اول صفحہ ۳۷۴)

۸. احادیث کسی مسئلہ میں حجت نہیں قرار پا سکتیں۔(ترجمان القرآن فروری ۴۶ء)

گمراہ فرق:۔

بعض گمراہ فرقے ایسے گزرے ہیں جن کا دماغی توازن قائم نہیں ہوتا وہ واقعات سے بالاتر ہو کر ایسی ادھیڑ بنت میں لگے رہتے ہیں۔ جس میں مودودی صاحب لگے ہوئے ہیں مثلاً ایک کہتا ہے ساری امت گمراہی پر جمع ہو سکتی ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ۔

''ہر ایک آدمی سے خطا ممکن الوقوع ہے تو سب سے بھی ممکن ہے جیسے یہ کہا جائے کہ ہر ایک حبشی سیاہ ہے تو سب حبشی بھی سیاہ ہوں گے۔

(رسالہ اجتہاد و تقلید ثنائی صفحہ ۳۷)

دوسرا اس پر تفریع کہتا ہوا یہ کہتا ہے کہ قرآن مجید جن کی معرفت ہم تک پہنچا ہے وہ تعداد میں خواہ کتنے ہی ہوں آخر تھے تو انسان ہی، انسان کے لئے جو فطرۃ اللہ نے حدیں مقرر کر رکھی ہیں ان سے آگے تو وہ نہیں جا سکتے انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے اس سے تو انکے کام محفوظ نہ تھے اور جب ہر فرد انسان اس فطرت کے تحت ہے تو مجموعہ بھی اس فطرت کے تحت ہے اس بنا پر قرآن مجید میں بھی غلطی کا امکان ہو گیا'' (کتاب تعریف اہل سنت صفحہ ۳۰۲)

تیسرا کہتا ہے کہ نقل سے یقین حاصل نہیں ہو سکتا چنانچہ منطق کی کتاب حمد اللہ کے صفحہ ۲۲۲ پر صناعت خمس کی بحث میں یہ معتزلہ اور جمہور اشعریہ کا مذہب لکھا ہے، وران کی دلیل یہ ذکر کی ہے کہ اول تو ایک لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے پھر متکلم کے ارادے کا علم مشکل ہے کہ اس نے کون سے معنیٰ کا ارادہ کیا ہے حقیقی یا مجازی عام یا خاص مطلق یا مقید اور کبھی یہ بھی شبہ ہو جاتا ہے کہ شاید یہ حکم منسوخ ہو اور ناسخ کو علم نہ ہوا ہو۔ نیز ناقل بعض دفعہ جھوٹا ہوتا ہے یا مجہول الحال ہوتا ہے یا اس کے حافظہ میں قصور ہوتا ہے یا اس کی طبعیت میں تکاسل ''طبعاً سست'' ہونا ہوتا ہے اور اس کو ثقہ سمجھ لیا جاتا ہے اور بعض دفعہ ثقہ سے بھی غلطی ہو جاتی ہے۔

غرض اس قسم کے بہت سے شبہات ہو جاتے ہیں تو نقل پر کس طرح یقین ہو سکتا ہے گویا ان لوگوں کے نزدیک نہ علوم عربیہ کا کوئی مسئلہ قطعی ہے نہ اسلام کا کوئی عقیدہ یقینی ہے گویا جنت، دوزخ، حساب، کتاب، حشر نشر کوئی بھی یقینی نہیں اسی طرح نماز روزہ حج زکوۃ وغیرہ بلکہ اس بات پر بھی یقین نہیں کہ محمد ﷺ ایک شخص مدعی نبوت عرب میں گزرے ہیں اور ان پر یہ کتاب اتری ہے جو اہل اسلام کے ہاتھ میں ہے بلکہ اس پر بھی یقین نہیں کہ مکہ مدینہ وہی شہر ہیں جن میں قرآن مجید اترا تھا۔ بلکہ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ جن لوگوں نے مکہ مدینہ قسطنطنیہ لندن وغیرہ شہر نہیں دیکھے ان کو ان شہروں کے وجود پر یقین نہ ہو کہ یہ بھی دنیا میں شہر بس رہے ہیں وغیرہ وغیرہ لیجئے سب کچھ صفا ہو گیا۔

مجرد سب سے اعلی ہے

نہ جورو ہے نہ سالا ہے

غرض اس قسم کی موشگافیاں کرنے والوں کی دنیا میں کمی نہیں جو وہم و خیالات کی عمارت اتنی بلند کرتے ہیں جو شاعرانہ تخیل سے بھی آگے گزر جاتی ہے جس کے متعلق خدا تعالی فرماتے ہیں،

الم ترانهم فی کل واد یهیمون یعنی شاعر ہر جنگل میں حیران پھرتے ہیں

اب مودودی صاحب بھی اس میدان میں اترے ہیں اور قلم کی ایک جنبش سے دنیا کا سارا سلسلہ ہی تہ بالا کر دیا ہے کسی قابل استاد کی کفش برداری کی ہوتی تو اتنی بڑی لغزش نہ کھاتے جس سے اسلامی دفتر پر پانی پھر جاتا، فقہا اور محدثین کی ظن کے متعلق ایک معمولی سی اصطلاح نہ سمجھنے کی وجہ سے یوں دماغ لڑانا شروع کر دیا ہے کہ ثقہ غیر ثقہ ہوسکتا ہے اور صحیح غیر صحیح وغیرہ وغیرہ اور یہ نہیں سمجھتے کہ خدا کی خدائی میں کیا نہیں ہوسکتا؟ کیا محمد ﷺ کی مثل یا آپ کی اتباع سے نیا نبی اب نہیں ہوسکتا؟ جیسے مرزائی خاتم النبین کے معنی کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی اتباع سے نبی ہوسکتا ہے کیا خدا اب قادر نہیں رہا؟ سوال تو ہونے سے ہے نہ کہ ہوسکنے سے۔ جو ہونے اور ہوسکنے میں فرق نہ سمجھے وہ اپنے دماغ کا علاج بریلی میں کرائے بے شک ثقہ غیر ثقہ سب کچھ ہوسکتا ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ ہے بھی کہ نہیں محدثین نے تو اپنی تحقیقات سے ثابت کر دیا کہ یہ ثقہ ہے اب آپ اپنی تحقیقات کا نیا دفتر کھولیں جس سے اس کے غیر ثقہ ہونے

کا علم ہو جب تحقیق کے تمام معتبر ذرائع جو انسان کے امکان میں ہیں وہ محدثین نے استعمال کر لئے ہیں تو اب آپ کے ہاتھ میں امکان بھی نہ رہا۔

مودودی صاحب کیا سہل انگاری سے لکھتے ہیں۔

”تھے تو انسان ہی انسان کے لئے جو حدیں فطرت اللہ نے مقرر کر رکھی ہیں ان سے آگے تو وہ نہیں جا سکتے“

تو جناب عالی آپ کون ہیں فرشتہ ہیں یا مقام نبوت کو پہنچ گئے ہیں اگر آپ کا مقام بھی انسانی حدود ہی ہیں تو پھر آپ کا ”ہو سکنا“ محدثین کے ”ہونے“ کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ شاید آپ نے کسی عدالت میں پیش ہو کر کبھی کہا ہو گا کہ فلاں گواہ جس کو آپ معتبر سمجھ رہے ہیں مجھے اس کی گواہی میں شک ہے کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ غیر ثقہ ہو، ہو سکتا ہے کہ یہ جھوٹ بولتا ہو مارشل لاء کے دنوں میں تو ضرور ایسا معاملہ پیش آیا ہو گا اور عدالت نے آپ کا یہ اعتراض معقول سمجھ کر ضرور مقدمہ خارج کر دیا ہو گا اگر آپ انکار کریں اور کہیں کہ ایسا معاملہ پیش نہیں آیا تو ہو سکتا ہے آپ بھول گئے ہوں ہو سکتا ہے کہ آپ کے حافظہ میں اختلاط آ گیا ہو اور اگر آپ کا یہ اعتراض عدالت نے نہیں سنا تو ہو سکتا ہے کہ آپ اپنا وقار قائم رکھنے کے لئے دیدہ دانستہ اس معاملہ کے پیش آنے سے انکار کرتے ہوں تا کہ لوگوں میں خفت نہ ہو کہ عدالت نے اعتراض نہیں سنا۔

مولانا صاحب! یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک بیڑہ سمندر میں جا رہا ہو پھر ہو سکتا

ہے کہ طوفان کے تھپیڑوں میں آ کر پھٹ گیا ہو پھر ہو سکتا ہے کہ ایک پھٹہ پر بیگانے دو مرد عورت رہ گئے ہوں پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی جزیرے میں اترے ہوں اور پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پیٹ کی فکر کی بجائے دوسری خواہش غالب آ گئی ہو نتیجہ ظاہر ہے کہ متعہ جائز ہے۔

قارئین کرام! یہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے بلکہ یہ متعہ کے جواز کی دلیل آج کل مولانا صاحب کے ماہوار رسالہ ترجمان القرآن کے صفحات کی زینت بنی ہوئی ہے اگر کہا جائے کہ مسلم وغیرہ میں حدیث ہے کہ متعہ قیامت تک حرام ہے تو اس کا جواب سہل ہے کہ،

''احادیث کسی مسئلہ میں حجت نہیں قرار پا سکتیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد پھر اجازت دے دی ہو جیسے پہلے کئی دفعہ اجازت دی اور صحابی سبرہ بن معبد جہنی وغیرہ (جو اس کے راوی ہیں) کو اطلاع نہ ہوئی ہو اور ہو سکتا ہے کہ اس کی اسناد میں کوئی راوی غیر ثقہ ہو جس کا مسلم وغیرہ کو پتہ نہیں لگا اور انہوں نے غلطی سے اپنی کتاب میں درج کر لی ہو اور یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ امام دار قطنی وغیرہ نے بخاری مسلم کی کئی احادیث پر اعتراض کیا ہے خاص کر جب یہ حدیث درایت کے بھی خلاف ہے کیونکہ سمندر میں بیڑے کی مثال اس کے جواز کو چاہتی ہے اور محدثین کا فقیہانہ پہلو کمزور تھا اور جب اس کے ساتھ اسناد کی کمزوری بھی ملائی جائے تو پھر بیڑے والی دلیل مذکور کے مقابلہ میں اس حدیث کی کیا حیثیت رہ

جاتی ہے۔

مولانا صاحب آپ نے ناراض نہیں ہونا اس ''ہو سکنے'' کا میدان بڑا وسیع ہے اس نے معاذ اللہ کسی کو اپنے والدین کا بھی نہیں رہنے دینا دیکھئے اس کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے ''ہو سکتا ہے'' آگے آپ سمجھ لیجئے...الخ

مولانا صاحب آپ نے محدثین اور فقہا کے ظن کو اپنے روزمرہ کی بول چال کا ظن سمجھ کر کس قدر گمراہی پھیلائی ہے کہ کوئی چیز بھی صحیح طریق پر نہیں رہ سکتی یہ سب بے استادی کے نتائج ہیں۔

مولانا اصلاحی صاحب کا ذکر خیر

اصل بات یہ ہے کہ جماعت اسلامی میں علم کی بہت کمی ہے اور وہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ جہاں تک ہمیں رسائی ہے شاید ہی کسی کو ہو ان میں جو بڑے بڑے علامہ فہامہ کہلاتے ہیں ان سب کا قریب قریب یہی حال ہے۔

''جوان بڑا سرپوش بڑا اٹھا کر جو دیکھا تو ایک ہی بڑا'' مثال کے طور پر مولانا اصلاحی صاحب ان میں بڑے مانے گئے ہیں یہاں تک کہ مولانا اسماعیل صاحب گوجرانوالہ نے بھی ان کو علم کی سند دے دی ہے چنانچہ اپنے مضمون مندرجہ ''الاعتصام مورخہ ۱۰ شعبان ۱۳۷۵ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء میں فرماتے ہیں مولانا اصلاحی صاحب مستند اور پختہ کار عالم ہیں مولانا فراہی ایسے صاحب فکر سے انہوں نے استفادہ فرمایا ہے'' اب اس پختہ کار عالم کا حال سنئے۔

مولانا اصلاحی کے نزدیک حدیث اور سنت میں فرق :۔

مودودی صاحب کے مضمون ''مسلک اعتدال'' وغیرہ مندرجہ تفہیمات میں جو کچھ خامیاں ہیں وہ تو آپ ہمارے اس رسالہ میں پڑھ ہی رہے ہیں مولانا اصلاحی نے ان کی اصلاح کی کوشش کی اس کے متعلق ترجمان القرآن اکتوبر ۱۹۵۵ میں ان کا ایک طویل مقالہ شائع ہوا ہے اس میں آپ حدیث اور سنت میں فرق بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''حدیث تو ہر وہ قول یا فعل یا تقریر ہے جس کی روایت نبی ﷺ کی نسبت کے ساتھ کی جائے لیکن سنت سے مراد نبی ﷺ کا صرف وہ ثابت شدہ اور معلوم طریقہ ہے جس پر آپ ﷺ نے بار بار عمل کیا ہو جس کی آپ ﷺ نے محافظت فرمائی ہو۔ جس کے حضور ﷺ عام طور پر پابند رہے ہوں''

(ترجمان القرآن اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳۷)

مولانا اصلاحی خامیوں کی دلدل میں :۔

اصلاحی صاحب مودودی صاحب کی خامیوں کی تو کیا اصلاح کریں گے خود ہی خامیوں میں پھنس گئے اصلاحی صاحب نے اس مختصر سی عبارت میں گمراہی کا دروازہ کھول دیا ہے سنت کے کئی استعمال ہیں ایک سنت کتاب اللہ کے مقابلہ میں ہے ایک بدعت کے مقابلہ میں ایک فرض واجب مستحب کے مقابلہ میں کتاب اللہ کے مقابلہ میں تو حدیث کے ہم معنی ہے اور بدعت کے مقابلہ میں اس سے مراد ہے جو

بات شریعت میں ثابت ہو اور فرض واجب کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم میں نرمی ہے یعنی فرض واجب میں سختی ہے وہ اس میں نہیں لیکن کسی قدر تاکید ہے جو مستحب میں نہیں اسی لئے رسول اللہ ﷺ اکثر سنت کو نہیں چھوڑتے تھے اور اسی لئے فقہاء نے اس کی یہ تعریف کی، **ما واظب علیه النبی** ﷺ

یعنی جس پر نبی ﷺ نے اکثر طور پر ہمیشگی کی ہو جیسے سنتیں موکدہ

اب سنئے! اس سے گمراہی کا دروازہ کس طرح کھلا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں **ترکت فیکم امرین لن تضلوا ماتمسکتم بهما کتاب الله وسنة رسوله** (مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ فصل الثالث صفحہ ۳۱)

یعنی ''تم میں دو باتیں چھوڑ چلا ہوں تم گمراہ نہیں ہو گے جب تک ان کو تھامے رہو۔''

مولانا اصلاحی کی تعریف سے پیدا ہونے والی خرابیاں :۔

اس حدیث میں اگر سنت سے وہی سنت مراد ہو جو فرض واجب کے مقابلہ میں ہے جو اصلاحی صاحب نے مراد لی ہے تو پھر ایک خرابی تو اس سے یہ لازم آئی کہ سنت کا تارک گمراہ ہوا۔ گویا کسی سے کسی وقت تراویح رہ جائیں تو وہ گمراہ ہو گیا حالانکہ کسی کا یہ مذہب نہیں دوسری خرابی یہ لازم آئی کہ باقی تمام احکام (فرض واجب مستحب حرام مکروہ وغیرہ) باہر رہ گئے۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے تمسک سے مراد عملاً تمسک ہوگا۔ کیونکہ اعتقاداً تو فرض واجب مستحب وغیرہ سب کا تمسک ضروری ہے مثلاً چاشت یا اشراق وغیرہ کی نماز کا اعتقاد رکھنا تو ضروری ہے خواہ عمل کرے یا نہ

اس بنا پر کتاب اللہ سے تمسک کے یہ معنی ہوں گے کہ قرآن مجید کے مستحبات پر بھی عمل ضروری ہو بلکہ جائز پر بھی جیسے **واذا حللتم فاصطادوا** (الایۃ پ ۶) "جب احرام کھولو تو شکار کرو" **فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا** (الایۃ پ ۲۸) "جب نماز جمعہ سے فراغت ہو تو کاروبار کے لئے زمین پر پھیل جاؤ" وغیرہ وغیرہ اگر کوئی شخص ان پر عمل ترک کردے تو وہ گمراہ ہوگا کیوں کہ اس میں تمسک کتاب اللہ نہیں رہتا

غرض اس قسم کی کئی خرابیاں لازم آتی ہیں مولانا اصلاحی کی بالکل وہی مثال ہے جو کسی نے بیان کیا ہے کہ ایک ذی علم سفر کی حالت میں مغرب کے وقت ایک گاؤں کی مسجد میں پہنچے دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں اور ہر ایک نمازی کے ساتھ ایک پلہ (کتے کا بچہ) ہے تعجب سے پوچھا یہ کیا؟ کتا تو جس گھر میں ہو رحمت کا فرشتہ نہیں آتا۔ اور یہاں مسجد میں اتنے کتے؟ نمازیوں نے جواب دیا ہمارے امام نے یہی حکم دیا ہے امام سے پوچھا اس نے کہا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے **لا صلوۃ الا بحضور القلب** یعنی حضور قلب کے بغیر نماز نہیں قلب کے معنی امام نے کتے کے لئے حالانکہ قلب کے معنی دل کے ہیں عالم نے ہنس کر کہا اللہ کے بندے جس کے معنی کتے کے ہیں وہ کلب (چھوٹے کاف سے ہے) اگرچہ یہ کوئی حدیث ثابت نہیں ہے لیکن مطلب اس کا ٹھیک ہے جب تک دل حاضر نہ ہو نماز نہیں۔

سو اسی قسم کی غلطی اصلاحی صاحب کو لگی ہے اس امام کو ایک حرف کی غلطی لگی اور اصلاحی صاحب کو ایک اصطلاح کی جگہ دوسری اصطلاح سمجھنے سے غلطی لگی جس

سے مطلب بدل گیا ایسے ہی مثال مذکور میں ''ایک بڑا'' سے مراد وہی سب کا بڑا ہے اگر خوان بڑا سر پوش بڑا سے بھی یہی مراد ہو یا اس کے الٹ تو مطلب غلط ہو جائے گا اسی طرح حدیث میں ہے جنگلی لوگ مغرب کو عشا کہتے اور عشا کو عتمہ رسول اللہ ﷺ نے تاکید فرمائی کہ کہیں اعراب تم پر اس استعمال میں غالب نہ آ جائیں۔ مطلب آپ کا یہ تھا کہ اگر مغرب کا نام پختہ طور پر عشا ہو گیا تو اس سے احکام شریعت الٹ پلٹ ہو جائیں گے مثلاً عشا سے پہلے سونا اور بعد میں باتیں کرنا منع ہیں اور عشا کے بعد غلاموں اور لڑکوں کو اذن لے کر اندر جانے کا حکم ہے جیسا کہ قرآن مجید میں سورہ نور میں مفصل بیان ہے اس قسم کے سب احکام غلط ہو جائیں گے یہی حال اصلاحی صاحب کی غلطی کا ہے۔

فتنہ مولانا مودودی اور انکار حدیث و مرزائیت:۔

اب مودودی صاحب کی طرف آیئے انہوں نے ظن کی اصطلاح میں غلطی کھا کر فن حدیث ہی کو بیکار کر دیا اور ان اپنی تحریرات سے دو قوموں کے لئے میدان بڑا وسیع کر دیا ایک منکرین حدیث دوسرے مرزائی۔

منکرین حدیث یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور وحی ہوتی تو جیسے قرآن مجید کی حفاظت خود خدا نے اپنے ذمہ لی ہے اسی طرح احادیث کی حفاظت بھی اپنے ذمہ لیتا احادیث کو انسانوں کے سپرد کرنا جو فطرۃً کمزور ہیں یہ دلیل ہے کہ احادیث وحی نہیں کیونکہ انسان خواہ کتنی کوشش کرے اس کے لئے جو حد فطرت اللہ نے

مقرر کی ہے اس سے آگے وہ نہیں جا سکتا اور انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے اس سے وہ محفوظ نہیں رہ سکتا۔

مودودی صاحب نے تو یہ دلیل نقل حدیث میں کمزوری دکھانے کیلئے پیش کی ہے جس سے مقصد ان کا یہ ہے کہ حدیث کلی اعتماد کے قابل نہیں اصلی معیار قرآن مجید ہے اور منکرین حدیث نے اس دلیل کو وحی نہ ہونے کی دلیل بنایا ہے جس سے مقصد ان کا یہ ہے کہ حدیث قابل عمل نہیں قابل عمل صرف قرآن مجید ہے۔

مرزائی بھی یہی دلیل پیش کرتے ہیں مگر ان کی لائن ان دونوں سے الگ ہوگئی ہے منکرین حدیث سے ان کی لائن اس لئے الگ ہے کہ وہ حدیث کو وحی مانتے ہیں اور منکرین حدیث وحی نہیں مانتے اور مودودی صاحب سے اس لئے الگ ہیں کہ انہوں نے نئی نبوت قائم کرلی ہے مگر جس راستے وہ نئی نبوت تک پہنچے ہیں وہ راستہ وہی مودودی صاحب والا ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ مودودی صاحب کی طرح وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اصل معیار قرآن مجید ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب اصل معیار قرآن مجید ہوا تو جو حدیث قرآن مجید سے موافق ہوگی وہ لی جائے گی اور جو خلاف ہوگی اس کی کوئی تاویل کی جائے گی یا ترک کردی جائے گی۔

اب یہ ایک ایسا اصول ہے جس سے بڑی شاخیں پھوٹتی ہیں بڑی پگ ڈنڈیاں نکلتی ہیں اور مختلف راستے کھل جاتے ہیں بس یہاں سے گمراہی کا سلسلہ شروع

ہو جاتا ہے اور انسان آزاد ہو جاتا ہے جس طرح چاہے کلام الٰہی میں تصرف کرے۔ اور جو چاہے احادیث پر حکم لگائے۔

مرزائیوں نے تو اس اصول پر اپنے مذہب کی بنا یوں رکھی کہ قرآن مجید کی تیس آیتیں پیش کر کے عیسیٰ علیہ السلام کو تو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اسی کے قریب اجراء نبوت کے لئے قرآنی آیات پیش کیں جن سے ایک **خاتم النبیین** ہے ایک **صراط الذین انعمت علیھم** ایک **وبالاخرۃ ھم یوقنون** ایک **اولئك الذین انعم اللہ علیھم من النبیین** ایک **اما یاتینکم رسل منکم** وغیرہ وغیرہ۔

جب یہ دونوں مرحلے طے ہو گئے یعنی وفات عیسیٰ علیہ السلام اور اجراء نبوت تو جھٹ مسیح موعود بن گئے ور نبوت کا دعویٰ کر دیا اور جہاں نبوت آجاتی ہے وہاں آیت **وما ینطق عن الھوی** چسپاں ہو جاتی ہے یعنی نبی جو کچھ کہتا ہے وہ وحی ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا اب قرآن کی تفسیر بھی وہی معتبر جو نبی کرے اور حدیث بھی وہی صحیح جس کو نبی صحیح کہے اس کے بعد جتنا مذہب چاہو پھیلا لو اور جو چاہو صحیح کر دیا غلط سیاہ کر دیا سفید چوں چرا اس کی کوئی گنجائش نہیں اب ہم منکرین حدیث کو تو یہ جواب دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے الفاظ کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے معانی اور مطالب کی حفاظت تو انسانوں ہی کے سپرد کی ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اصل مقصد معانی اور مطالب ہو ہوتے ہیں الفاظ صرف افہام و تفہیم کا کام دیتے ہیں چنانچہ صفحہ ۶۴، ۶۵ میں اس کی تفصیل ہو چکی ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو شے انسانوں کے سپرد

ہو وہ بھی قابل عمل ہے نتیجہ ظاہر ہے کہ حدیث قابل عمل ہے علاوہ اس کے اور دلائل بھی ہیں جن سے بعض صفحہ ۸۰۔۸۱ پر گزر چکے ہیں اور مرزائیوں کو ہم نے یہ جواب دیا کہ جن آیتوں سے تم نے وفات عیسیٰ علیہ السلام یا اجراء نبوت پر استدلال کیا ہے ان کے معانی و مطالب عرب اول نے کیا سمجھے ہیں جن پر احسان جتلاتا ہوا خدا تعالیٰ فرماتا ہے

انا انزلنا ہ قرانا عربیا لعلکم تعقلون

''ہم نے قرآن مجید عربی زبان میں اتارا تا کہ تم سمجھو''

اور رسول اللہ ﷺ نے ان آیات کی کیا تفسیر کی جن کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی

''نبی خواہش سے نہیں بولتا جو کچھ بولتا ہے وہ وحی ہوتی ہے''

اگر عرب اول کا فہم اور تفسیر نبوی وہی ہے جو تم سمجھے ہو تو چشم ما روشن و دل ما شاد مگر اس کا ثبوت اور اگر تم ان کے خلاف سمجھے ہو تو ۔۔ سراسر گمراہی ہے کیونکہ بحکم حدیث ما انا علیہ و اصحابی وغیرہ معیار وہی ہے چنانچہ صفحہ ۷۰ وغیرہ میں کچھ تفصیل گزر چکی ہے۔

مولانا مودودی کا معیار حدیث:۔

مودودی صاحب کا اصول معجون مرکب ہے مودودی صاحب نے مرزائیوں والا اصول پسند کیا ہے اور کچھ ان کا اصول منکرین حدیث سے ملتا ہے ان

دونوں صورتوں کو ہم الگ الگ بیان کرتے ہیں تا کہ قارئین کرام پر واضح ہو جائے کہ واقعی انکا مذہب معجون مرکب ہے اور جو نیا گمراہ ہوتا ہے اس کا یہی حال ہوتا ہے۔

پہلی صورت:۔

مودودی صاحب کے نزدیک صحت حدیث کے لئے سند کا قوی ہونا کافی نہیں بلکہ صحت اسناد کے بعد ایک اور کسوٹی بیان فرماتے ہیں جس سے ان کے نزدیک حدیث کا پرکھنا ضروری ہے لکھتے ہیں۔

یہ دوسری کسوٹی کون سی ہے ہم اس سے پہلے بھی اشارۃً اس کا ذکر کئی مرتبہ کر چکے ہیں جس شخص کو اللہ تعالیٰ تفقہ کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے اس کے اندر قرآن اور سیرت رسول کے غائر مطالعہ سے ایک خاص ذوق پیدا ہو جاتا ہے جس کی کیفیت بالکل ایسی ہے جیسے ایک پرانے جوہری کی بصیرت کہ وہ جواہر کی نازک سے نازک خصوصیات تک کو پرکھ لیتی ہے اس کی نظر بحیثیت مجموعی شریعت حقہ کے پورے سسٹم پر ہوتی ہے اور وہ اس سسٹم کی طبیعت کو پہچان جاتا ہے اس کے بعد جب جزئیات اس کے سامنے آتے ہیں تو اس کا ذوق اسے بتا دیتا ہے کہ کون سی چیز اسلام کے مزاج اور اس کی طبیعت سے مناسبت رکھتی ہے اور کون سی نہیں رکھتی روایات پر جب وہ نظر ڈالتا ہے تو ان میں بھی یہی کسوٹی رد یا قبول کا معیار بن جاتی ہے اس کا مزاج عین ذات نبوی ﷺ کا مزاج ہے جو شخص اسلام کے مزاج کو سمجھتا ہے اور جس نے کثرت کے ساتھ کتاب وسنت رسول کا گہرا مطالعہ کیا ہوتا ہے وہ نبی اکرم ﷺ کا ایسا مزاج

شناس ہو جاتا ہے کہ روایات کو دیکھ کر خود بخود اس کی بصیرت اسے بتا دیتی ہے کہ ان میں سے کون سا قول یا کون سا فعل میرے سرکار کا ہو سکتا ہے اور کون سی چیز سنت نبوی ﷺ سے اقرب ہے۔ یہی نہیں بلکہ جن مسائل میں اس کو قرآن سنت سے کوئی چیز نہیں ملتی ان میں بھی وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر نبی ﷺ کے سامنے فلاں مسئلہ پیش آتا تو آپ ﷺ اس کا فیصلہ یوں فرماتے یہ اس لئے کہ اس کی روح روح محمدی میں گم اور اس کی نظر بصیرت نبوی کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے اس کا دماغ اسلام کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے اور وہ اسی طرح دیکھتا اور سوچتا ہے۔ جس طرح اسلام چاہتا ہے کہ دیکھا اور سوچا جائے اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد انسان استاد کا زیادہ محتاج نہیں رہتا وہ استاد سے مدد ضرور لیتا ہے مگر اس کے فیصلے کا مدار اس پر نہیں ہوتا وہ بسا اوقات ایک غریب ضعیف منقطع السند مطعون فیہ حدیث کو بھی لے لیتا ہے اس لئے کہ اس کی نظر اس افتادہ پتھر کے اندر ہیرے کی جوت دیکھ لیتی ہے اور بسا اوقات وہ ایک غیر معلل غیر شاذ متصل السند مقبول حدیث سے اعراض کر جاتا ہے اس لئے کہ اس جام زریں میں جو زیادہ معنی بھری ہوئی ہے وہ اسے طبیعت اسلام اور مزاج نبوی ﷺ کے مناسب نظر نہیں آتی۔

(تفہیمات جلد اول صفحہ ۳۶۱، ۳۶۲)

مولانا کا ذوق سلیم :۔

اس ساری عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جس حدیث کو محدثین نے صحیح کہا ہے

وہ ذوق سے رد ہو سکتی ہے اور جس حدیث کو محدثین نے ضعیف نا قابل عمل قرار دیا ہے وہ ذوق سے صحیح ہو سکتی ہے اور ظاہر ہے کہ ذوق ہر ایک کا اپنا اپنا ہے اس بنا پر مودودی صاحب کے نزدیک وہی حدیث صحیح ہوگی جو مودودی صاحب کے ذوق کے موافق ہو مرزا صاحب نے حدیث کو نبوت سے پرکھا تھا جس کو وہ ظلی نبوت کہتے تھے اور مودودی کی روح بھی محمدی روح میں گم ہونے سے نظر مودودی و بصیرت محمدی متحد ہوگئی جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ مرزا کی طرح یہ بھی اپنی من مانی کاروائی کرنے کے مجاز ہیں جس حدیث کو چاہیں رد کریں اور جس حدیث کو چاہیں قبول کریں صرف فرق اتنا ہے کہ آپ نے نبوت کی جگہ ذوق رکھ دیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرب قیامت میں لوگ شراب کا نام نبیذ (شربت) رکھ کر پی جایا کریں گے سو وہی بات مودودی صاحب نے کی ہے نبوت کا دعوی تو نہیں کیا مگر وہی کام ذوق سے لے لیا چنانچہ ہم اوپر تفصیل کر چکے ہیں کہ سند کے قوی ہونے کے بعد مودودی کی درایت کے لئے پانچ راستے کھلے ہیں وہ پانچوں درایت اور ذوق ہیں۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون۔**

دوسری صورت:۔

منکرین حدیث کی تردید کرتے ہوئے مودودی صاحب لکھتے ہیں،

احادیث کو بالکلیہ رد کر دینے سے عملاً جو خرابی واقع ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جزئیات میں انسان رسالت کی رہنمائی سے محروم ہو جاتا ہے اور دین پر عمل کرنے کی تفصیلی صورتوں میں قیاس ورائے کا دخل اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ اصولی احکام کی

اسپرٹ کے بھی ضائع ہوجانے کا خوف ہے نیز اس میں یہ بھی خطرہ ہے کہ جب تفصیلات میں سرے سے کوئی سند ہی نہ ہوگی تو لامحالہ انفرادیت راہ پائے گی ہر شخص اپنی رائے اور اپنے رجحان کے مطابق جوصورت چاہے گا اختیار کرے گا اور ایسی کوئی قوت باقی نہ رہے گی جو تفرقہ وانتشار اور اختلاف عمل کو انفرادیت کی آخری حدود تک پہنچنے سے روک سکتی ہو۔

مثال کے طور پر ایک نماز جمعہ ہی کو لے لیجئے۔ ہمارے پاس یقین کے جو ذرائع ہیں ان میں سے پہلا اور سب سے بڑا ذریعہ یعنی قرآن ہم کو صرف یہ ہدایت دیتا ہے کہ جب نماز جمعہ کیلئے بلایا جائے تو سب کام چھوڑ کر دوڑ پڑو دوسرا ذریعہ یعنی عمل متواتر ہم کو اس سے تھوڑی دور آگے لے جا کر چھوڑ دیتا ہے وہ صرف اتنا علم ہمیں دیتا ہے کہ جمعہ کا وقت ظہر[1] کا وقت ہے اس کے لئے جماعت شرط ہے اس سے پہلے خطبہ ہونا چاہئے اور اس کی رکعتیں دو ہیں۔ اور اس کے لئے اذن[2] عام ضروری ہے اس امور کے بعد جتنے عملی جزئیات ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی قرآن یا عمل متواتر سے ہم کو معلوم نہیں ہوتی اب اگر اخبار آحاد کو بحیثیت مجموعی رد کر دینے کا اصول اختیار کیا جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر شخص جزئیات کو اپنی رائے سے مقرر کر دے گا اور کسی رائے کو بھی کوئی ایسی قوت حاصل نہ ہوگی جس کی بنا پر اسے دوسری

....

[1] مودودی صاحب کو خبر نہیں بہت سے علما حنبلیہ وغیرہ ظہر کے وقت سے پہلے جمعہ کے قائل ہیں ۱۲

[2] یہ بھی اختلافی چیز ہے مودودی صاحب ویسے ہی لکھتے جارہے ہیں ۱۲

رائے کے مقابلہ میں ترجیح دی جا سکے اور مسلمانوں کی کسی بڑی جماعت پر اس کی پیروی لازم ہو جائے گی آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس سے جزئیات میں کتنی افراتفری برپا ہو گی نظام جماعت کو کتنا نقصان پہنچے گا اور کس طرح بعض صورتوں میں مقاصد شریعت تک فوت ہو جائیں گے۔ (تفہیمات جلد اول صفحہ ۳۵۱،۳۵۲)

مولانا مودودی خود اپنے جال میں:۔

قارئین کرام! جب کوئی شخص کسی کی تردید کرے اور جس کی تردید کر رہا ہے اسی کی روح اس کے اندر ہو تو ایسے شخص کی تردید اکثر منعکس ہو کر خود اسی پر لوٹ آتی ہے کیوں کہ خدا تعالی گمراہ سے اپنے دین کی خدمت کم لیتا ہے چنانچہ یہاں ایسا ہی حال ہے۔

اس تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اسوہ نبی اختیار نہ کیا جائے تو ہر شخص اپنی رائے اور قیاس کو اختیار کرے اس سے اتنا اختلاف وانتشار ہو گا کہ انفرادیت اپنی آخری حدود تک پہنچ جائے گی، جس سے نظام جماعت سب درہم برہم ہو جائے گا اور مقاصد شریعت فوت ہو جائیں گے۔

لیکن اسوہ نبی تک پہنچنے کا ذریعہ اگر نبوت مرزا ہوتی، تو شیرازہ اتنا منتشر نہ ہوتا زیادہ سے زیادہ قادیانی اور لاہوری پیدا ہو جاتے جب اسوہ نبی تک پہنچنے کا ذریعہ اپنا اپنا ذوق ہو تو پھر تو وہی انفرادیت واپس آ گئی جس سے آپ منکرین حدیث کو ڈرا رہے ہیں خیال فرمائیے کہ مودودی صاحب کا دماغی توازن قائم ہے؟ نمائشی رنگ میں

تحریر کا لمبا چوڑا جال پھیلانے کا کیا فائدہ؟ جب خود ہی اس میں پھنس گئے انا للہ ،

مودودی صاحب کا ائمہ مجتہدین پر بہتان:۔

مودودی صاحبؒ نے جس ذوق یا کسوٹی کا ذکر کیا ہے اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ، ائمہ مجتہدین کا بھی یہی مسلک تھا اور چونکہ ذوق ہر ایک کا اپنا اپنا ہوتا ہے اس بنا پر مسائل میں بکثرت ان کا اختلاف ہوا۔

چنانچہ مذکورہ بالا (کسوٹی والی) عبارت کے بعد لکھتے ہیں۔

''یہ چیز (کسوٹی مذکورہ) چونکہ سراسر ذوقی ہے اور کسی ضابطہ کے تحت نہیں آتی نہ آسکتی ہے اس لئے اس میں اختلاف کی گنجائش پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گی چنانچہ اسی وجہ سے ائمہ مجتہدین کے درمیان جزئیات میں بکثرت اختلافات ہوئے ہیں، پھر یہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ ایک شخص کا ذوق لامحالہ دوسرے شخص کے ذوق سے کلیۃً مطابق ہی ہو یہی وجہ ہے کہ ایک ہی مسلک کے ائمہ نے بہت سے مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے امام ابوحنیفہ اور انکے اصحاب کے اقوال میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں۔ وہ اس کی ایک روشن مثال ہے۔

(تفہیمات جلد اول صفحہ ۳۶۳)

مذکورہ بالا (کسوٹی والی) عبارت سے پہلے ذرا تفصیل سے لکھتے ہیں۔

جس طرح حدیث کا بالکلیہ رد کر دینے والے غلطی پر ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ بھی غلطی سے محفوظ نہیں جنہوں نے حدیث سے استفادہ کرنے میں صرف روایات پر

اعتماد کرلیا ہے مسلک حق ان دونوں کے درمیان ہے اور یہ وہی مسلک ہے جو ائمہ مجتہدین نے اختیار کیا ہے امام ابوحنیفہ کی فقہ میں آپ بکثرت ایسے مسائل دیکھتے ہیں جو مرسل اور معضل اور منقطع احادیث پر مبنی ہیں یا جن میں ایک قوی الاسناد حدیث کو چھوڑ کر ایک ضعیف الاسناد حدیث کو قبول کیا گیا ہے یا جن میں احادیث کچھ کہتی ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کچھ کہتے ہیں یہی حال امام مالکؒ کا ہے باوجود یہ کہ اخباری نقطہ نظر ان پر زیادہ غالب ہے مگر پھر بھی ان کے تفقہ نے بہت سے مسائل میں ان کو ایسی احادیث کے خلاف فتوی دینے پر مجبور کیا۔ جنہیں محدثین صحیح قرار دیتے ہیں چنانچہ لیث بن سعد نے ان کی فقہ سے تقریباً ۷۰ مسئلے اس نوعیت کے نکالے ہیں۔ امام شافعی کا حال بھی اس سے کچھ مختلف نہیں۔ معاذ اللہ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں۔ کہ یہ لوگ کسی حدیث کو حدیث صحیح جان کر اس سے انحراف کرتے تھے نہیں بلکہ اصل معاملہ یہ تھا کہ ان کے نزدیک صحت حدیث کا مدار صرف اسناد پر نہ تھا بلکہ اسناد کے علاوہ ایک اور کسوٹی بھی تھی جس پر وہ احادیث کو پرکھتے تھے اور جس حدیث کے متعلق ان کو اطمینان ہو جاتا تھا یہ حقیقت سے اقرب ہے اس کو قبول کر لیتے تھے خواہ وہ خالص محدثانہ نقطہ نظر سے مرجوع ہی کیوں نہ ہو۔ (تفہیمات جلد اول صفحہ ۳۶۰، ۳۶۱)

ان دونوں عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ ائمہ دین اپنے اپنے ذوق سے قوی الاسناد احادیث کی تردید کردیتے تھے اور اسی کسوٹی سے کبھی ضعیف احادیث کو صحیح قرار دیتے اور سند کی پرواہ نہ کرتے اور ان کے اختلاف فی المسائل کی یہی وجہ ہے۔

کیونکہ ذوق سب کا ایک نہیں۔لیکن ہم ڈنکے کی چوٹ سے یہ بات کہتے ہیں کہ یہ سراسر ائمہ دین پر بہتان ہے اور اتنا بڑا بہتان ہے کہ اگر مودودی صاحب نے اس سے توبہ نہ کی تو اس سے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے۔**معاذاللہ**

فقہی مسائل میں علماء کے اختلاف کی وجہ:۔

علماء اہل سنت نے بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھی ہیں اور اختلاف ائمہ کے وجوہات بیان کئے ہیں ،مگر یہ وجہ کسی نے بھی نہیں لکھی جو مودودی صاحب بیان کر رہے ہیں مودودی صاحب کم ازکم شاہ ولی اللہ صاحب ہی کی تصانیف دیکھ لیتے تو اس بھنور میں نہ پڑتے حجۃ اللہ البالغہ ،عقد الجید ،الانصاف فی سبب الاختلاف وغیرہ میں کافی سے زیادہ اس کی تفصیل موجود ہے بڑی وجہ اختلاف کی یہ ہے کہ ساری احادیث رسول اللہ ﷺ کی ایک سینہ میں جمع نہیں ہوئیں چنانچہ امام شافعی نے رسالہ اصول میں اس کی تصریح کی ہے اور امام مالک نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ اکمال فی اسماء الرجال وغیرہ میں ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے امام مالک کی کتاب موطا کو قانونی شکل دے کر اپنے قلمرو میں رائج کرنا چاہا۔امام مالک نے اسے روک دیا اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ ہر ملک والوں کے پاس صحابہ کا علم ہے جس پر انہوں نے مذہب کی بنا رکھی ہے اور اس سے اختلافات پیدا ہو گئے تو آپ سب میرے علم کے کس طرح پابند ہو سکتے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم مختلف ملکوں میں پھیل گئے لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **اختلاف امتی رحمة** اس سے

امام مالک کا اشارہ اس طرف تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا علم ایک سینہ میں جمع نہیں ہوا۔ اور اس سے اختلاف امت پیدا ہو گیا جو ناگزیر تھا جو محض خدا کی طرف سے ہے امت اس میں مجبور ہے اور اسی بنا پر اس کو رحمت فرمایا گیا۔

تفصیل اس کی یوں ہے کہ فتوحات اور تبلیغ کے سلسلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم مختلف ملکوں میں پھیل گئے جتنی احادیث کا ذخیرہ کسی صحابی کے پاس تھا وہ اس اس علاقہ میں پہنچ گیا دوسرے صحابی کی احادیث کا ذخیرہ وہاں نہیں پہنچا جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو اس کے متعلق حدیث نہ معلوم ہوتی تو اجتہاد سے کام لیتے خواہ صحابی ہوں یا تابعی یا دیگر امامان دین اور یہ اجتہاد کبھی حدیث کے موافق پڑتا کبھی مخالف اگر مجتہد کو حدیث پہنچ گئی تو رجوع کر لیا ورنہ اسی پر خاتمہ ہو گیا اور کبھی کسی حدیث کے مطلب سمجھتے ہیں اختلاف ہو جاتا جیسے قرآن مجید کی تفسیر میں اختلاف ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ ایک صحابی رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث سن کر چلا گیا اور بعد میں وہ حکم منسوخ ہو گیا مگر وہ صحابی جس علاقے میں گیا وہاں اس حکم پر عمل ہوتا رہا۔

غرض اس قسم کے وجوہ اختلاف پیدا ہوتے رہے ورنہ ائمہ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ صریح حدیث پہنچنے کے بعد کوئی لیت لعل کریں معاذ اللہ اگر ایسا ہوتا تو وہ پھر اپنی بریت کرتے ہوئے یہ کیوں کہتے کہ اگر صحیح حدیث مل جائے تو ہمارے قول کو دیوار سے مارو۔

یا جب حدیث صحیح ہو جائے تو وہی ہمارا مذہب ہے کیوں کہ یہاں یہ تو مراد ہی نہیں کہ جو حدیث ذوق سے صحیح ہو وہ ہمارا مذہب ہے بلکہ سند سے صحیح ہونا مراد ہے

اگر ذوق سے صحیح ہونا مراد ہوتا تو مطلب یہ ہوتا کہ تمہارا ذوق ہمارا مذہب ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیوں کہ ذوق ہر ایک کا اپنا اپنا ہے امام معاذ اللہ ایسا نہیں کہہ سکتے کہ تمہارا ذوق ہمارا مذہب ہے۔

مودودی صاحب میں مرزا صاحب کی روح:۔

مرزا صاحب کو مراق کی بیماری تھی ان کی تحریر میں اکثر اس کا اثر ظاہر ہوتا رہتا تھا مودودی صاحب میں بھی ان کی روش پر چلنے کی وجہ سے محمدی روح کی بجائے وہی روح سیرایت کر آئی ہے اس لئے ان کو یہ پتہ نہیں لگتا کہ میرے قلم سے کیا نکل رہا ہے لکھتے لکھتے خود اپنی ہی تردید کر جاتے ہیں پہلی صورت کے عنوان کے تحت ابھی گزرا ہے کہ مودودی صاحب منکرین حدیث کی تردید کرتے کرتے خود ہی ذوق کا شکار ہو گئے جس سے مودودی صاحب اور منکرین حدیث کا مذہب انجام کار ایک ہی ہو گیا۔

اب اسی قسم کا دوسرا بیان سنئے۔ مودودی صاحب کا جو بیان اوپر صفحہ ۱۰۷ میں گزر چکا ہے کہ، ذوق کسی ضابطہ کے تحت نہیں آتا اور نہ ہو سکتا ہے بلکہ ہر ایک کا ذوق اپنا اپنا ہے اس لئے اس میں اختلاف کی گنجائش پہلے بھی رہی اور اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گی اور اسی بنا پر ائمہ مجتہدین میں اختلاف مسائل ہوا بلکہ ایک مسلک کے ائمہ میں بھی اختلاف کی یہی وجہ ہے چنانچہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب شاگردوں کے اقوال میں جو اختلاف پائے جاتے ہیں وہ اس کی ایک روشن مثال ہے۔

اس کے بعد مودودی صاحب لکھتے ہیں۔

پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر مجتہد کا ذوق ہر مسئلہ میں صواب [1] ہی کو پہنچ جائے۔ انسان بہرحال کمزوریوں کا مجموعہ ہے اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کا مجتہد بھی غلطی کرسکتا ہے اور کرجاتا ہے اسی بنا پر ائمہ مجتہدین ڈرتے رہے ہیں اور انہوں نے ہمیشہ اپنے متبعین کو ہدایت کی ہے کہ ہم پر بالکل اعتماد نہ کرو خود بھی تحقیق کرتے رہو اور جب کوئی سنت ہمارے قول کے خلاف ثابت ہو جائے تو ہمارے قول کو رد کر کے سنت کی پیروی کرو امام ابو یوسف فرماتے ہیں،

لا یحل لا حدا ن یقول وما لتنا حتی یعلم من این قلنا۔

یعنی کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ ہمارے قول پر فتویٰ دے جب تک کہ وہ تحقیق نہ کرلے کہ ہمارے قول کا ماخذ کیا ہے۔

امام زفر کا قول ہے۔ **انما ناخذ بالرای مالم یجد الاثر فاذا جاء الاثر ترکنا الرای واخذ نا بالاثر** ۔یعنی جب ہم کو کوئی حدیث نہیں ملتی تو ہم اپنی رائے سے فیصلہ کرتے ہیں جب حدیث مل جاتی ہے تو رائے کو چھوڑ کر حدیث کو لے لیتے ہیں۔

امام مالک کا ارشاد ہے **انما انا بشر اخطی واصیب فانظروا فی الرائی فکلما وافق الکتاب والسنۃ فخذوہ وکلما لم یوافق الکتاب والسنۃ فاترکوہ** ۔میں محض ایک انسان ہوں غلطی بھی کرتا ہوں اور صحیح رائے بھی قائم کرتا ہوں لہذا تم میری رائے کو نظر تحقیق سے دیکھو جو کچھ کتاب سنت کے موافق ہو اسے لے لو اور جو اس کے خلاف ہو اسے رد کردو۔

....

[1] مودودی صاحب کی کتاب میں ث کے ساتھ ثواب لکھا ہے ۱۲

امام شافعی کا بیان ہے کہ اذا صح الحدیث فاضربو ا بقولی الحائط کہ جب صحیح حدیث تمہیں مل جائے تو میرے قول کو دیوار پر دے مارو اور لا قول لاحد مع سنۃ رسول اللہ ﷺ کہ سنت رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں کسی کو کچھ کہنے کا حق نہیں۔

غرض یہ کہ تمام ائمہ بالاجماع کہتے ہیں کہ جس شخص پر کسی مسئلہ میں سنت رسول روشن ہو جائے اس کے لئے پھر کسی دوسرے شخص کا قول لینا حرام ہے خواہ وہ کیسے ہی بڑے مرتبے کا شخص ہو۔

(ترجمان القرآن صفر ۱۳۵۶ھ مئی ۱۹۳۷ء، تفہیمات حصہ اول صفحہ ۳۶۳)

قارئین کرام! یہ تو آپ مودودی صاحب کی عبارت مذکورہ بالا زیر عنوان ''پہلی صورت'' سے معلوم کر چکے ہیں کہ ذوق ایک مزاج ہے۔ جو اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے گہرے مطالعہ سے پیدا ہوتا ہے اور وہ ایک سے دوسرے کی طرف نقل ہونے کے قابل نہیں بلکہ ہر ایک کا اپنا اپنا مزاج ہوتا ہے اس بنا پر امام ابو یوسف کے قول میں ماخذ سے مراد ذوق تو ہو نہیں سکتا کیوں کہ وہ متبعین تک پہنچنے کے قابل نہیں ہاں حدیث کا صحت سند کے ساتھ پہنچنا مراد ہو سکتا ہے پس امام ابو یوسف کے قول کا مطلب یہ ہوا کہ جب حدیث صحت سند کے ساتھ تمہیں پہنچ جائے جو ہمارے قول کا ماخذ ہے تو تم ہمارے قول کو لے لو، لیجئے کیسی صفائی سے مودودی صاحب نے اپنی تردید آپ ہی کر دی اور کتاب ذوق کی طاق میں جاں دھری تھی واں دھری رہ گئی۔

امام زفر کا قول اس سے بھی واضح ہے کیوں کہ ان کے قول میں اثر سے مراد حدیث ہے یا قول صحابی ہے اور رائے سے مراد وہی ذوق ہے جو مودودی صاحب کا بڑا سرمایہ ہے پس امام زفر کا مطلب واضح ہے کہ اثر کے مقابلہ میں ذوق کوئی چیز نہیں اب ان دونوں صاحبوں کے ساتھ انکے استاد امام ابوحنیفہ کا قول ملا لیجئے جو مودودی صاحب نے نقل نہیں کیا حالانکہ شاگردوں سے پہلے استاد کا قول چاہئے تھا ان کے استاد کے دو قول مشہور ہیں ایک میزان شعرانی صفحہ ۵۱ میں ہے **حرام علی من لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی** یعنی جو میری دلیل نہ پہچانے اس کو میرے قول پر فتوی دینا حرام ہے امام ابو یوسف کا قول مذکور اسی کے موافق ہے۔

دوسرا قول شامی جلد اول صفحہ ۵۰ میں ہے **اذا صح الحدیث فھو مذھبی** ۔یعنی جب حدیث صحیح ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے اس میں صحت حدیث سے مراد سند صحیح ہونا ہے نہ ذوقاً چنانچہ اس کا بیان امام ابو یوسف کے قول میں ابھی گزر چکا ہے۔

محدثین کے نزدیک صحت حدیث کی شروط:۔

رہے امام مالک اور امام شافعی تو وہ اکابر محدثین سے ہیں اور محدثین کے ہاں صحت حدیث کی کل پانچ شرطیں ہیں۔

۱. نقل کرنے والا عدل ہو۔

۲. تام الضبط ہو۔

۳. حدیث غیر معلل ہو۔

۴. غیر شاذ ہو۔

۵. سند متصل ہو۔

مودودی صاحب کا ذوق محض ان کی اختراع ہے حدیث کے دفتر میں اس کا نام ونشان نہیں پس مودودی صاحب کا ان بزرگوں کے اقوال کا یہاں ذکر کرنا یہ کھلی اپنی تردید ہے امام مالکؒ نے تو نرم لہجہ اختیار کیا ہے امام شافعی صاحب تو بڑے توہین آمیز الفاظ میں بڑے جوش سے فرماتے ہیں جب سنداً حدیث صحیح ہو جائے۔ تو میرے قول کو دیوار سے دے مارو اور امام شعبی تابعی فرمایا کرتے تھے "ٹٹی میں پھینک دو" غرض ان کے ہاں حدیث کی شان بہت بلند تھی انہوں نے ذوق سے کبھی صحیح السند حدیث کو رد نہیں کیا۔ یہ محض مودودی صاحب کا ان پر بہتان ہے۔

مودودی صاحب! یہ بتلایئے کہ جب ذوق ایک قسم کا مزاج ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے گہرے مطالعہ سے پیدا ہوتا ہے تو وہ کون سی سنت ہے جس میں گہرے مطالعہ سے یہ مزاج شریف پیدا ہوگا اس سنت کی صحت سنداً ہی ہوگی کیوں کہ وہ اس مزاج شریف سے پہلے آپ کو پہنچ چکی ہوگی تو برائے مہربانی آپ اس مزاج شریف کو پرے ہی رکھیں اور اسی صحت پر اکتفا کریں جو اس سے پہلے آپ کو حاصل تھی اور ایسے مطالعہ سے معافی دیں جو "جس ہنڈیا میں کھائے اسی میں چھید کرے" کی مثال ہو پھر کتاب اللہ میں بھی گہرا مطالعہ بغیر سنت کے نہیں ہوسکتا کیوں کہ سنت کتاب

اللہ کی تفسیر ہے۔ پس آپ کا مزاج شریف بے وقت کی راگنی ہے۔

قارئین کرام! میرا جہاں تک خیال ہے کسی عالم نے مودودی صاحب کے کلام کا پورا تجزیہ نہیں کیا یا میری نظر سے نہیں گزرا اور نہ مودودی صاحب کا کلام اپنے پاؤں پر کلہاڑی ہے یعنی اس کے اندر اتنا مواد ہے کہ یہ آپ ہی اپنی تردید ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کہ طرح مودودی صاحب کو بھی کوئی اندرونی بیماری ہے جس سے دماغی توازن صحیح نہیں رہا لوگ نمائشی تحریروں پر فریفتہ ہو جاتے ہیں تحقیقی نظر نہیں ڈالتے اسی عدم تدبر کے نتیجہ میں ہماری جماعت کے کئی افراد اس کا شکار ہو گئے ہیں حالانکہ مودودی علم حدیث کی جڑ ہیں کھوکھلی کر رہا ہے جو دین اسلام کی بنیادی چیز ہے۔ اور اہلحدیث کا اس سے خصوصی تعلق ہے غیرت مند اہلحدیث ایک لمحہ بھر کے لئے ایسے شخص سے تعلق قائم نہیں رکھ سکتا ہے۔ خدا جانے شامل شدہ افراد کی رگ حمیت کٹ گئی ہے یا کسی گناہ کی شامت کا نتیجہ ہے خدا نہ کرے کہیں سوء خاتمہ پر خاتمہ نہ ہو جائے۔

ہماری طبیعت کچھ کمزور ہے اور کچھ مصروفیتیں بہت ہیں۔ اس لئے ہم ادھر زیادہ وقت نہیں دے سکتے ورنہ ہم بفضل خدا اس کا سارا تانا بانا کھول کر رکھ دیتے یہ بھی جو کچھ لکھا ہے احباب کے زیادہ مجبور کرنے پر لکھا گیا۔ خیر الحمد للہ اس سے بنیادی چیز سامنے آ گئی ہے جس سے تردید کا راستہ بہت سا صاف ہو گیا ہے۔

فرق باطلہ کی تردید:۔

اب جماعت کو چاہئے کہ فرق باطلہ کی تردید کے لئے ایک مستقل شعبہ کھول لیں تاکہ یہ مبارک سلسلہ جاری رہے جس میں اہم فریضہ اس وقت مودودی کی تردید ہے چنانچہ ہم نے دیباچہ اس طرف اشارہ کیا ہے مودودی نے علم حدیث پر مختلف پہلوؤں سے حملے کئے ہیں کوئی متن حدیث پر کوئی اسناد حدیث پر کوئی خدام حدیث پر چنانچہ پانچ راستوں میں اس کا بیان ہو چکا ہے اور کچھ ذوق کے بیان سے بھی اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔

محدثین کا نقطہ نظر:۔

مودودی صاحب نے بار بار اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ محدثین کا نقطہ نظر زیادہ تر اخباری ہوتا تھا فقہ ان کا اصل موضوع نہ تھا وہ روایات کو معتبر و غیر معتبر قرار دینے میں زیادہ تر صرف اسی چیز کا لحاظ فرماتے ہیں کہ اسناد اور رجال کے لحاظ سے وہ کیسی ہیں رہا فقیہانہ نقطہ نظر تو وہ ان کے موضوع خاص سے ایک حد تک غیر متعلق تھا اس لئے اکثر وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل جاتا تھا اور وہ روایات پر اس حیثیت سے کم ہی نظر ڈالتے تھے اسی وجہ سے اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک روایت کو انہوں نے صحیح قرار دیا ہے حالانکہ معنی کے لحاظ سے وہ زیادہ اعتبار کے قابل نہیں اور ایک دوسری روایت کو وہ قلیل الاعتبار قرار دے گئے ہیں حالانکہ معنیً وہ صحیح معلوم ہوتی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ فقیہانہ نظر سے احادیث کے متعلق رائے قائم کرنے میں وہ فقہا مجتہدین کی نسبت کمزور تھے۔

یہ مودودی صاحب کی متعدد جگہ کی عبارتوں کا خلاصہ ہے اصل عبارتیں صفحہ ۸۷، ۸۸، ۹۸ وغیرہ میں گزر چکی ہے۔

مودودی صاحب کا مقصد یہ ہے کہ علم حدیث کو ہر پہلو سے کمزور دکھا کر اہل بدعت کی طرح اپنی من مانی کاروائی کریں مگر خدا بڑا کارساز ہے وہ اپنے دین کی حفاظت اس طرح کرتا ہے جیسے فرعون کی گود میں موسیٰ علیہ السلام کی تربیت کی۔ مودودی صاحب یہاں تو یہ لکھتے ہیں کہ محدثین کا نقطہ نظر اخباری تھا فقہ ان کا اصل موضوع نہ تھا مگر منکرین حدیث کا جواب دیتے ہوئے اس کے خلاف لکھتے ہیں۔ چنانچہ ان کی اصل عبارت یہ ہے۔

مولانا مودودی کا دعویٰ اور منکرین حدیث کی تردید:۔

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ ہم حدیث کو صرف تاریخ کی حیثیت سے لیں گے حجت شرعی نہ بنائیں گے مگر کیا ان حضرات نے رسول کی تاریخ کو سکندر اور نپولین کی تاریخ سمجھا ہے کہ اس کے صحیح ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہ پڑتا ہو؟ کیا وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ اس انسان کی تاریخ ہے جس کا اتباع فرض ہے جس کی اطاعت پر نجات کا مدار ہے جس کی سیرت مسلمانوں کیلئے اسوہ حسنہ ہے اس ذات پاک کی تاریخ دو حال سے خالی نہیں ہوسکتی یا صحیح ہوگی یا غلط ہے تو اس کو لینا کیا معنی نذر آتش کیجئے رسول پر بہتان اور آپ اس کو تاریخ کی حیثیت سے قبول کریں اور اگر وہ صحیح ہے تو اس کا اتباع فرض ہے مسلمان ہوتے ہوئے اس کی پیروی سے آپ بچ کہاں

سکتے ہیں ۔(تفہیمات حصہ اول صفحہ ۳۳۹)

اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ محدثین کا اصل نقطہ نظر اخباری نہ تھا۔ بلکہ اصل مقصد اتباع رسول تھا پس حسب اقرار مودودی ضروری ہوا کہ جیسے وہ روایت کو اسناد اور رجال کے لحاظ سے دیکھیں درایت کی رو سے بھی اس پر نظر کریں تا کہ اسوہ رسول سامنے آجائے اور فقہیانہ نظر کا مقصد بھی اسوہ رسول ہی معلوم کرنا ہے پس محدثین کا پہلو مجتہدین کی نسبت زیادہ قوی ہوا کیوں کہ مجتہدین صرف درایت سے نظر کرتے اور محدثین روایت درایت دونوں نظروں سے دیکھتے اس کی مزید وضاحت ہم مودودی صاحب ہی کی عبارت میں پیش کرتے ہیں مودودی صاحب عبارت مذکورہ سے پہلے منکرین حدیث کی تردید کا سلسلہ یوں چلاتے ہیں کہ جب بڑے بڑے اہم مقدمات خون، زنا، چوری، تہمت زنا وغیرہ کا فیصلہ قرآن کی رو سے شہادت پر ہوتا ہے اور شہادت ہی پر نظام عدل کی بنیاد رکھی گئی ہے تو راویوں کے ذریعہ حدیث نبوی کا پہنچنا بھی اسی قسم کا سلسلہ ہے تو پھر اس پر کیوں اعتماد نہ ہوگا اس کا بیان کرتے ہوئے مودودی صاحب لکھتے ہیں۔

البتہ راویوں میں سے ہم ہر راوی پر اعتبار نہ کریں گے۔ جس طرح شاہدوں میں سے ہر شاہد پر اعتبار نہیں کرتے ہم حکم قرآن کے بموجب ذوا عدل (صاحب انصاف ہونے) کی شرط لگاتے ہیں اور اسی کی تحقیق کے لئے اسماء الرجال کا فن ایجاد کیا گیا ہے تا کہ راویوں کے حالات کی تحقیق کی جائے اسی طرح ہم راویوں پر جرح

بھی کریں گے کہ حدیث کے جوہری نکات (اصل مطلب) میں اس کے درمیان ایسا اختلاف تو نہیں ہے جو ان کے بیان کی صحت کو مشکوک کر دیتا ہو اسی طرح درایت سے بھی کام لیں گے جیسے ایک جج مقدمات میں درایت سے کام لیتا ہے فن حدیث میں درایت کی حیثیت وہی ہے جو قانون میں جج کی رائے اور قوت فیصلہ کی حیثیت ہے جیسے جج ہر گواہ کے بیان کو یونہی قبول نہیں کر لیتا بلکہ اس کو مختلف پہلوؤں سے جانچ کر رائے قائم کرتا ہے اسی طرح ایک محدث بھی ہر روایت کو آنکھ بند کر کے قبول نہیں کرتا بلکہ جانچ پڑتال کر کے اس کے متعلق اپنی رائے قائم کرتا ہے۔

مگر جس طرح شاہدوں کے بیانات کا جانچنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے اسی طرح درایت بھی بچوں کا کھیل نہیں ہے حدیث کو اصول درایت پر وہی شخص جانچ سکتا ہے جس نے قرآن کا علم حاصل کر کے اسلام کے اصول ادلیہ کو خوب سمجھ لیا ہو اور جس نے حدیث کا بیشتر ذخیرہ کا گہرا مطالعہ کر کے احادیث کو پرکھنے کی نظر بہم پہنچائی ہو کثرت مطالعہ اور ممارست سے انسان میں ایک ایسا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ رسول اللہ ﷺ کا مزاج شناس ہو جاتا ہے اور اسلام کی صحیح روح اس کے دل و دماغ میں بس جاتی ہے پھر وہ ایک حدیث کو دیکھ کر اول نظر میں سمجھ لیتا ہے کہ آیا رسول اللہ ﷺ ایسا فرما سکتے تھے یا نہیں؟ یا آپ کا عمل ایسا ہو سکتا تھا یا نہیں؟ پھر جس طرح ایک معاملہ میں دو قاضیوں کا اجتہاد مختلف ہوتا ہے اور جس طرح قرآن مجید کے معانی میں دو فاضلوں کی تفسیریں مختلف ہو سکتی ہیں اسی طرح دو محدثوں کی درایت میں بھی اختلاف ممکن ہے خدا تعالیٰ نے ہم کو انسانی طاقت سے زیادہ کسی چیز کا مکلف نہیں قرار دیا

ہے اختلاف رائے انسانی فطرت کا مقتضی ہے اور اس کی وجہ سے نہ قرآن چھوڑا جا سکتا ہے نہ حدیث اور نہ عدالت کی کرسی پس ایک حدیث کے متعلق جس حد تک تحقیق انسان کے بس میں ہے اس کا سامان محدثین نے فراہم کر دیا ہمارا کام اس سامان سے فائدہ اٹھا کر صحیح کو غلط سے ممتاز کرنا اور صحیح کا اتباع کرنا ہے نہ یہ کہ صحیح کے اختلاط کو دیکھ کر سرے سے رسالت ہی سے قطع تعلق کر لینا۔ (تفہمات حصہ اول ص ۳۴۷، ۳۴۸)

قارئین کرام:۔

یہ عبارت کسی تشریح کی محتاج نہیں ۔اس میں صاف اقرار ہے کہ محدث کا وظیفہ صرف راویوں کے ذریعہ حدیث کو جانچنا نہیں بلکہ محدث درایت سے بھی جانچتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایسا فرما سکتے ہیں یا نہیں؟ یا آپ کا عمل ایسا ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور یہ درایت وہی ذوق ہے یا ملکہ ہے جو قرآن حدیث کے گہرے مطالعہ سے پیدا ہوتا ہے جس سے انسان رسول اللہ ﷺ کا مزاج شناس ہو جاتا ہے اور اسلام کی روح اس میں پیدا ہو جاتی ہے یا دوسرے لفظوں میں اس کی روح روح محمدی میں گم ہو جاتی ہے اور اس کی نظر بصیرت نبویہ سے متحد ہو جاتی ہے جیسے اوپر مودودی صاحب کی تحریر میں صفحہ ۱۰۲، ۱۰۳ پر ذوق کے بیان میں گزر چکا ہے پس نتیجہ صاف ہے کہ مجتہد صرف فقیہانہ نظر یعنی صرف درایت سے حدیث کو پرکھتا ہے اور محدث اسناد اور رجال سے بھی اور درایت سے بھی پس مودودی صاحب ہی کی تحریر سے ثابت ہو گیا کہ محدث کا پہلو تحقیق حدیث میں مجتہد سے زیادہ قوی ہے۔

محدث کی درایت مجتہد سے قوی ہوتی ہے:۔

علاوہ اس کے مودودی صاحب کا کہنا ہے کہ قرآن وحدیث کے گہرے مطالعہ سے انسان کی روح روح محمدی میں گم ہو جاتی ہے اور اس کی نظر بصیرت نبویہ سے متحد ہو جاتی ہے اس بناء پر محدث کی درایت مجتہد کی درایت سے قوی ہونی چاہیے کیونکہ قرآن مجید کی تفسیر احادیث ہیں چنانچہ مودودی صاحب کی عبارت میں اوپر گزر چکا ہے اور احادیث کا ذخیرہ محدثین کے پاس زیادہ ہوگا اور وہ قرآن مجید کی تفسیر میں بھی وہ زیادہ ماہر ہوں گے نیز ان کے پاس احادیث کا ذخیرہ زیادہ ہونے کی وجہ سے حدیث میں بھی ان کا مطالعہ مجتہد سے وسیع ہوگا نیز بعض احادیث بعض کی تفسیر ہوتی ہیں تو جس کو دونوں پہنچ گئیں وہ غلطی نہیں کرسکتا بہرصورت محدث کی درایت کا مقابلہ مجتہد نہیں کرسکتا۔ کیوں کہ مجتہد کے پاس اتنا ذخیرہ نہیں اور جب اس کے ساتھ بحث اسناد اور بحث رجال کا لحاظ کیا جائے کہ یہ بھی محدث کا وظیفہ ہے نہ مجتہد کا تو اس حیثیت سے محدث کا قدم مجتہد سے بہت آگے بڑھ جاتا ہے۔

غرض یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ شریعت ایک نقلی علم ہے نہ عقلی رسول اللہ ﷺ کو خدا سے ملا اور آپ ﷺ نے صحابہ کو پہنچایا اور ان سے ہم تک پہنچ گیا اب جن کے پاس روایات کا ذخیرہ زیادہ ہو۔ وہ اس میں زیادہ ماہر ہوں گے یا جن کو تھوڑی روایات پہنچی ہیں وہ؟ تھوڑی روایات والے تو انہی روایات کو الٹ پلٹ کر کے ان سے مسائل کا استنباط استخراج کریں گے جس سے کوئی استنباط صحیح ہوگا کوئی غلط **المجتهد یخطیء ویصیب** یعنی مجتہد کبھی غلطی بھی کرتا ہے اور کبھی ٹھیک بھی کہتا ہے اور جس کے پاس روایات کا عام ذخیرہ ہوگا اس کو استنباط و استخراج کی اول تو ضرورت ہی نہیں کیوں کہ اس کی ضرورت صریح روایات سے پوری ہو جائے گی اور

کہیں شاذ و نادر استنباط و استخراج کی ضرورت پڑی تو اس کا یہ مسئلہ نص کے خلاف نہیں ہوگا کیوں کہ روایات کا ذخیرہ اس کے سامنے ہوگا اور شاذ و نادر خلاف ہوا بھی تو تھوڑی روایت والے سے تو کم ہی خلاف ہوگا بہرصورت نقلی علوم میں زیادہ تر وہی حق پر رہتا ہے جس کے پاس معلومات کا ذخیرہ زیادہ ہو رہا فقیہانہ نظر سے کسی روایت پر صحت ضعف کا حکم تو اس کے متعلق عیسیٰ بن ابان کی روایت کا حال صفحہ ۵ میں پڑھ لیا۔ جب لیاری کے مسئلہ میں نص کے خلاف ہوگیا تو اس کے قائم رکھنے کے لئے ایک اصول وضع کیا کہ غیر فقیہ صحابی کی روایت عام درایت کے مقابلہ میں رد ہو جائے گی پھر اس کے راوی ابوھریرۃؓ کو غیر فقیہ بنانے کی کوشش کی آخر یہ اصول بھی غلط نکلا کیوں کہ یہ روایت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی آ گئی بس پھر کیا ہوا؟ آخر جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ اگر زیاذہ جرات کرتے تو اپنی درایت کو قائم رکھنے کے لئے مودودی صاحب کی درایت سے کام لے کر مودودی صاحب کا ہوسکنے کا اصول برت لیتے مگر ان کے سامنے ایک اور شے تھی وہ یہ کہ پھر جو صحیح معنوں میں فقہ ہے اس سے ہاتھ دھونے پڑتے کیوں کہ صحیح معنوں میں فقہ انہی روایات سے مستنبط ہے جن میں مودودی صاحب نے ہوسکنے کا اصول جاری کیا ہے کیونکہ صحیح فقہ من گھڑت رائے کا نام نہیں بلکہ ان مسائل کا نام ہے جو ائمہ نے قرآن و حدیث سے استخراج کئے ہیں اور جب ''ہوسکنے'' کے اصول سے روایات ہاتھ سے گئیں تو ساتھ ہی یہ فقہ بھی گئی پھر فقہ خود بھی روایت ہے کیونکہ اس کے ائمہ سے ہم تک پہنچنے میں اسی اسناد کی ضرورت ہے جس کو مودودی صاحب کمزور بتلاتے ہیں۔

مولانا مودودی کی نظر میں محدثین کی کمزوریاں:۔

مودودی صاحب آپ نے محدثین کی دو کمزرویاں بتلائی تھیں ایک بلحاظ اسناد ایک بلحاظ فقہ اگر بالفرض آپ کی یہ بات مان لی جائے تو مجتہدین کی چار ہوگئیں جو یہ ہیں ایک بلحاظ اسناد ان روایات کے جو ماخذ فقہ ہیں دوسری بلحاظ اسناد فقہ کے جس کے ذریعہ فقہ ہم تک پہنچی تیسری بلحاظ استنباط کے کیونکہ المجتهد یخطی ئو یصیب چوتھی بلحاظ فقیہانہ نظر کے کیونکہ فقیہانہ نظر بھی استنباط کی طرح ایک رائے ہے جیسے عیسی بن ابان نے فقیہانہ نظر سے ابو ہریرہؓ کی حدیث رد کرنی چاہی مگر وہ نظر غلط ہوگئی

فقیہانہ نظر کی چند اور امثلہ:۔

ا. اسی طرح فقیہانہ نظر سے نور الانوار وغیرہ میں یہ اصول ذکر کیا ہے کہ مرسل حدیث کو متصل پر ترجیح ہے متصل وہ حدیث ہے جس کی اسناد میں کوئی راوی گرا ہوا نہ ہو اور مرسل وہ ہے جس میں صحابی گرا ہوا ہو اور تابعی رسول اللہ ﷺ سے روایت کرے اس کی وجہ ترجیح یہ بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کرنا بڑی ذمہ داری کا کام ہے جب تابعی صحابی کا نام لے گا تو یہ ذمہ داری صحابی پر پڑ گئی۔اور تابعی بری الذمہ ہوگیا اور جب تابعی صحابی کا نام نہ لے اور خود رسول اللہ ﷺ سے روایت کرے تو اس کی ذمہ داری تابع پر پڑ گئی اس لئے تابعی اس صورت میں زیادہ احتیاط سے کام لے گا اور جتنی احتیاط زیادہ ہو اتنی حدیث زیادہ صحیح ہوتی ہے پس اس بنا پر مرسل کو متصل پر ترجیح ہوگی لیکن اس فقیہانہ نظر کو بھی واقعات نے غلط ثابت کر دیا۔ محدثین نے جب مرسل روایتوں کی تحقیقات کی تو تابعی کے درمیان اور رسول اللہ

ﷺ کے درمیان صحابی کے علاوہ ایسے راوی بکثرت پائے گئے جو ثقہ نہیں جس سے معلوم ہوا کہ تابعی اس ذمہ داری کو کوئی برا محسوس نہیں کرتے اس بنا پر محدثین نے مرسل کو ضعیف میں شمار کرلیا اس سے معلوم ہوا کہ محدثین فقیہانہ نظر سے غافل نہ تھے بلکہ ان کی فقیہانہ نظر ٹھوس واقعات کی روشنی میں ہوتی تھی اس سے ثابت ہوا کہ احادیث کے صحت وضعف میں جو فقیہانہ نظر محدثین کو میسر تھی وہ اوروں کو میسر نہ تھی۔ اسی بنا پر حنفیہ غیر حنفیہ قریباً سب نے بخاری کو **اصح الکتب بعد کتاب اللہ** تسلیم کرلیا۔ (ملاحظہ ہو مقدمہ بخاری مولانا احمد علی مرحوم سہارن پوری)

مودودی بیچارے کو ان باتوں کا کیا پتہ لگ سکتا ہے جب کہ کسی کامل کی شاگردی ہی نہیں کی

۲. ایسے ہی نور لانوار وغیرہ میں ہے کہ تعدد رواۃ سے ترجیح نہیں ہوگی یعنی ایک طرف ایک راوی ہو اور دوسری طرف کئی ہوں تو ان کئی کو ایک پر ترجیح نہیں ہوگی حالانکہ شاذ کی تعریف ہی یہ ہے کہ ایک ثقہ اپنے سے زیادہ ثقہ کی یا ایک کئی ثقہ کے خلاف روایت کرے تو وہ شاذ ہے جو ضعیف کی قسم ہے اس سے معلوم ہوا کہ تعدد سے تقویت ہوجاتی ہے اور پھر یہ دنیا کی مسلمہ چیز ہے کہ ایک کی نسبت دو میں اطمینان قلبی بھی زیادہ ہے اور اسی لئے مشہور ہے کہ ایک ایک ہے اور دو گیارہ اور اسی بنا پر بعض ائمہ حنفیہ نے بھی اس اصول کی تردید کردی اور کہا کہ عدد کثیر میں غلطی کا احتمال بعید ہوتا ہے اسی لئے زنا کی حد میں جو بڑی حد ہے چار گواہ رکھے گئے۔ (نصب الرایہ زیلعی جلد اول صفحہ ۳۵۹)

۳. ایسے ہی جب دو دلیلوں میں تعارض ہوجائے اور تقدم تاخر کا علم نہ ہو کہ پہلے کونسی ہے اور پیچھے کون سی اور ایک کو دوسری پر کسی وجہ سے ترجیح ہو تو اصول فقہ میں راجح پر عمل ہوگا ملاحظہ ہو تحریر ابن الہمام بحث تعارض وغیرہ مگر محدثین کہتے ہیں کہ پہلے

دونوں کی موافقت کی کوشش کی جائے گی اگر موافقت نہ ہو سکے تو پھر ترجیح دی جائے گی

(مقدمہ ابن الصلاح صفحہ۱۱۲، ۱۷)

محدثین نے موافقت کو ترجیح پر اس لئے مقدم کیا ہے کہ ترجیح میں ایک دلیل بیکار ہوجاتی ہے اور موافقت میں دونوں پر عمل ہوجاتا ہے اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ اعمال اھمال سے بہتر ہے یعنی حتی الوسع کوشش یہی ہونی چاہئے کہ شے کارآمد ہوجائے بیکار نہ جائے یہی وجہ ہے کہ کئی حنفیہ نے اپنے اس اصول پر عمل ترک کردیا ہے چنانچہ یہی ابن الہمام ہیں جنہوں نے یہ اصول بیان کیا ہے آمین کے مسئلہ میں آہستہ آمین کہنے کی حدیث کی کمزوری بیان کر کے فرماتے ہیں۔

ولو كان الى فى هذا الشیء لو فقت بان رواية الخفض يراد بها عدم القرع العنيف ورواية الجهر بمعنى قولها فى زير الصوت وذيله

(فتح القدیر جلد ا صفحہ ۲۰۷)

"اگر اس مسئلہ میں فیصلہ میرے سپرد ہوتا تو میں یوں موافقت کرتا آہستہ کہنے کی حدیث سے مراد ہے کہ چلا کر نہ کہے اور جہر کی حدیث سے مراد یہ ہے کہ درمیانی آواز سے کہے"

اسی طرح مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنے رسالہ الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد کے صفحہ ۶۹ میں مسئلہ فاتحہ خلف الامام پر بحث کرتے ہوئے حدیث **واذا قرا فانصتوا** (امام پڑھے تو چپ ہو رہو) اور حدیث **لاصلوة لمن لم يقرا بفاتحة الكتاب** (فاتحہ کے بغیر نماز نہیں) کے درمیان موافقت کی ہے کہ پہلی حدیث مقتدی کے لئے ہے اور دوسری روایت اکیلے کیلئے ہے حالانکہ ترجیح کی صورت موجود ہے کیونکہ پہلی حدیث کی صحت میں اختلاف ہے اور دوسری بالاتفاق صحیح ہے اور ظاہر ہے کہ اتفاق کو اختلاف پر ترجیح ہے نیز ایک حدیث میں ہے۔ **لا صلوة لمن لم يقرا بفاتحة الكتاب خلف الامام** ۔(ملاحظہ ہو کتاب القراۃ بیہقی صفحہ ۵۰) اور اس حدیث کو صحیح کہا ہے جب خلف الامام کی صراحت آگئی تو اس سے اس بات کی

تائید ہوگئی ۔ کہ یہ اکیلے کے لئے نہیں اب دو صورتیں ہیں یا دوسری کو پہلی پر ترجیح ہو یا پہلی سے مراد سورہ فاتحہ کے سوا ہو یعنی فاتحہ کے سوا باقی قرات میں چپ رہو چنانچہ ہم نے اپنے رسالہ اہلحدیث کے امتیازی مسائل کے صفحہ ۲۰ تا ۲۷ تفصیل کی ہے۔

بہر صورت مولانا اشرف علی تھانوی نے یہاں اپنا اصول چھوڑ کر اہلحدیث کے اصول پر عمل کیا ہے اور ایسا یہ لوگ بہت کرتے ہیں خواہ تفریع غلط ہو یا صحیح ۔ اصل بات یہ ہے کہ مودودی صاحب ہوائی باتیں کئے جا رہے ہیں کہ محدثین کا نقطہ نظر اخباری تھا فقہ ان کا اصل موضوع نہ تھا اس لئے فقیہانہ نظر ان کی کمزور تھی یہ تھا وہ تھا کسی بات کو واقعات پر پیش نہیں کرتے جب تک تفصیلات میں پڑ کر موازنہ نہ کیا جائے کیا پتہ لگ سکتا ہے کہ فقیہانہ نظر کیا ہے اور کون اس میں کمزور ہے۔

فقیہانہ نظر کی مزید وضاحت :۔

مجہول راوی کی دو قسمیں ہیں ایک مجہول العین اور ایک مجہول الحال مجہول العین اس کو کہتے ہیں جس سے صرف ایک شخص روایت کرے اور مجہول الحال وہ ہے جس سے صرف دو شخص روایت کریں اور مجہول الحال کو مستور بھی کہتے ہیں یعنی پوشیدہ حال والا اور یہ بات ظاہر ہے کہ جتنے شاگرد کسی کے زیادہ ہوں اتنی ہی اس کی مشہوری ہوتی ہے پس اس فرق کے ظاہر کرنے کیلئے پہلے کا نام مجہول العین رکھا غنی اس کی شخصیت ہی نا معلوم ہے اور دوسرے کا نام مجہول الحال رکھا یعنی اس کی شخصیت تو کسی قدر نمایاں ہوگی مگر حالات پورے نہیں کھلے اس بنا پر محدثین نے تو ان دونوں کی احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن بعض کی فقیہانہ نظر نے ان دونوں میں فرق کرتے ہوئے پہلے کی احادیث کو ضعیف سمجھا۔ اور دوسرے کی احادیث کو صحیح ۔ ان میں سے امام ابو حنیفہ بھی ہیں اور اس کی وجہ یہ حدیث بیان کی گئی کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔

یعنی بہتر زمانہ میرا ہے پھر جو اس سے قریب ہیں پھر جو ان سے قریب ہیں

اور بعض روایتوں میں چار زمانے آتے ہیں ایک آپ ﷺ کا زمانہ اور آپ کے بعد صحابہؓ تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے زمانے جب ان کو خیر القرون فرمایا تو ان پر حسن ظن رکھتے ہوئے ان کی احادیث کو قبول کر لینا چاہئے لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ اگر اس حدیث کو عام لیا جائے تو اس مجہول العین حدیث کو بھی صحیح کہنا پڑے گا حالانکہ اس کو امام ابو حنیفہ صاحب بھی صحیح نہیں کہتے اصل بات ہے کہ محدثین نے جب ملک بہ ملک پھر کر احادیث جمع کیں تو معلوم ہوا کہ لوگوں میں بہت فسق و فجور پھیل چکا ہے اور بہت سے گمراہ فرقے قدریہ، جبریہ، خارجی، رافضی، مرجیہ معتزلہ وغیرہ پیدا ہو چکے ہیں اور روایت احادیث میں بڑی گڑ بڑ شروع ہو گئی ہے۔ یہاں تک کہ جھوٹی احادیث بنا بنا کر ہزاروں کی تعداد میں شائع کی جا رہی ہے اس لئے انہوں نے ہر ایک حدیث اور ہر ایک راوی کی تنقید ضروری سمجھی اور جس کے حال کا پتہ نہ لگا اس کی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے یا اس کی روایت میں توقف کیا رہا حدیث خیر القرون کا مطلب تو وہ مابعد کے لحاظ سے ہے چنانچہ اسی حدیث میں ہے **ثم یفشو ا لکذب** پھر جھوٹ عام ہو جائے گا گویا خیر القرون میں جھوٹ اتنا عام نہیں ہو گا جتنا بعد میں ہو گا اور اس کی تائید حدیث **ما انا علیه واصحابی** سے بھی ہوتی ہے یعنی ناجی فرقہ وہ ہے جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ ناجی فرقہ کے معیار میں صرف صحابہ کو داخل کرنا اس لئے ہے کہ بعد میں گمراہی بہت پھیل جائے گی اب آپ کو معلوم ہو چکا کہ فقیہانہ نظر جس کی زیادہ ہے اور احادیث کے صحت و ضعف میں محتاط زیادہ کون ہے۔

محدث اور فقیہ کا مناظرہ:۔

امام اوزاعیؒ اور امام ابو حنیفہ کا رفع یدین کے مسئلہ میں مناظرہ امام اوزاعی نے کہا، مجھے امام زہری نے سالم سے حدیث سنائی اس نے اپنے باپ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نیت باندھتے اور رکوع کو جاتے اور اٹھتے وقت رفعیدین کرتے تھے امام ابو حنیفہ نے کہا مجھے حماد بن ابی سفیان نے ابراہیم بن نخعی سے روایت سنائی

انہوں نے علقمہؒ سے علقمہؒ نے عبداللہ بن مسعود روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف پہلی مرتبہ (نیت باندھتے وقت) ہاتھ اٹھاتے تھے پھر انہیں لوٹاتے تھے امام اوزاعی کہا زہری سالم اللہ ایسوں کے مقابلہ میں آپ کن کو پیش کر رہے ہیں امام ابوحنیفہ کہا حماد زہری زیادہ فقیہ ہے اور ابراہیم سالم اور اگر صحابی ہو کا خیال نہ ہوتو میں کہوں گا ۔ اللہ بن عمر فقاہت میں زیادہ ہے رہا اللہ تو اللہ ہی ہے یعنی اللہ بن مسعود تو فقاہت کے بڑے درجہ پر ہیں۔

یہ مناظرہ فتح القدیر شرح ہدایہ اور عنایہ شرح ہدایہ جلد اول صفحہ ۲۱۹ وغیرہ میں ذکر کیا ہے اور فتح القدیر میں کہا ہے کہ اس کو ابن عینیہ حکایت کیا ہے اور فتح القدیر میں یہ بھی کہا ہے وھو المذھب المنصور عندنا ۔یعنی فقاہت ترجیح دینا ہمارے ہاں مذہب معتبر ہے مگر اس واقعہ کی سند کسی بھی ذکر نہیں کی خیر یہ واقعہ صحیح ہو یا غلط ہمارا مطلب یہ ہے کہ یہاں تو فقاہت زیادہ ہو ترجیح دی ہے حالانکہ یہاں فقاہت زیادہ ہونا مسلم نہیں اور نہ یہاں اس کا کوئی معیار ہے اسی لئے امام اوزاعی اس کا جواب نہیں دیا مگر آمین کے مسئلہ میں اس اصول کو توڑ دیا ہے تفصیل اس کی یوں ہے کہ:

وائل بن حجر کی حدیث جو جو آمین متعلق ہے سلمہ بن کفیل کئی صاحب روایت کرتے ہیں ایک ان سفیان ثوری ہیں دوسرے شعبہ ہیں اور سلمہ بن طفیل حجر بن عنبس روایت کرتے ہیں اور حجر بن عنبس وائل بن حجر اور وائل بن حجر نبی ﷺ روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث کے الفاظ میں سفیانؒ اور شعبہ کا آپس میں اختلاف ہو گیا سفیان کہتے ہیں ومدبھا صوته یعنی نبی ﷺ بلند آواز آمین کہی اور شعبہ وخفض بھا صوته کہا ہے یعنی نبی ﷺ آہستہ آواز آمین کہی ہے حنفیہ شعبہ کی روایت لی ہے اور سفیان کی ترک کر دی حالانکہ سفیان بالاتفاق شعبہ زیادہ فقیہ ہے۔ (ملاحظہ ہو تحفہ الاحوذی جلد اول صفحہ ۲۱۱)

پھر لطف یہ ہے کہ سلمہ بن کھیل کے دو شاگرد اور ہیں ایک علاء بن صالح یہ ثقہ ہیں اور ان کو علی [1] بن صالح بھی کہتے ہیں دوسرے محمد بن سلمہ ہے یہ ضعیف ہیں ان دونوں نے سفیان کی موافقت کی ہے علاء بن صالح کی روایت میں جھر بآمین ہے اور محمد بن مسلم کی روایت میں رفع بها صوته ہے بلکہ شعبہ نے خود بھی ایک روایت میں سلمہ بن کھیل سے رافعا بها صوته روایت کیا اور سند بھی اس کی صحیح ہے (ملاحظہ ہو نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۳۶۹ تلخیص الخبیر صفحہ ۸۹ اور تحفۃ الاحوذی جلد اول صفحہ ۲۱۱)

مگر باوجود اس کے حنفیہ نے شعبہ کی روایت خفض بها صوته ہی کو لیا ہے مگر سارے حنفیہ ایک ہی نہیں کئی اس کمزوری کو محسوس کر کے آمین بالجہر کے قائل ہو گئے ہیں جن سے ایک حنفیہ کے جد امجد بہت بڑے امام ابن الہمام ہیں۔ جن کے متعلق شامی جلد ۴ صفحہ ۳۸۸ میں لکھا ہے کہ یہ اجتہاد کے درجہ کو پہنچ گئے۔ یہ فتح القدیر جلد اول صفحہ ۲۰۷ میں لکھتے ہیں۔ کہ میرا فیصلہ یہی ہے کہ جن روایتوں میں آمین آہستہ آئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت چلا کے نہ کہے ان کا یہ مطلب نہیں کہ بلند آواز سے نہ کہے۔ چنانچہ ان کی اصل عبارت یہ ہے لو کان الی فی هذا بشیء لو فقت بان روایة الخفض یراد بها عدم القرع العنیف وروایة الجهر معنی قولها فی زیر الصوت وذیلة ۔یعنی اگر فیصلہ اس مسئلہ میں میرے سپرد ہوتا تو میں یوں موافقت کرتا کہ آہستہ کہنے کی حدیث سے مراد یہ ہے کہ چلا کے نہ کہے اور جہر کی حدیث سے مراد ہے کہ درمیانی آواز سے کہے اسی طرح ان کے شاگرد ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں اور اپنے استاذ کی یہی عبارت نقل کی ہے۔

اسی طرح شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے فتح سر المنان میں لکھا ہے ان کے

[1] تحفۃ الاحوذی میں علی کو علا سے الگ قرار دیا ہے اور علی بھی ثقہ ہیں تو اس صورت میں سفیان کے موافق ہو جائیں گے علا بن صالح اور علی بن صالح اور محمد بن سلمہ ۱۲

علاوہ مولانا عبدالحی لکھنوی تعلیق المجد صفحہ ۱۰۵ میں آمین بالجہر کو ترجیح دیتے ہیں فرماتے ہیں **والانصاف ان الجهر قوی من حیث الدلیل** یعنی انصاف یہ ہے کہ جہر دلیل کی رو سے قوی ہے اور مولانا سراج احمد صاحب حنفی شرح ترمذی میں لکھتے ہیں۔ **احادیث الجهر بالتامین اکثر و اصح** یعنی بلند آواز سے آمین کہنے کی احادیث زیادہ صحیح ہیں۔ (ملاحظہ ہو ابکار المنن مولانا عبدالرحمٰن مرحوم مبارکپوری صفحہ ۱۸۱) ایسے ہی اور کئی بزرگوں کا حال ہے

غرض محدثین کی فقیہانہ نظر کا مقابلہ مشکل ہے کیوں کہ ان کی فقیہانہ نظر کا میدان خدائی واقعات کی تصویر ہے جو ایک اٹل چیز ہے اسی بنا پر شاہ ولی اللہ صاحب عقد الجید میں فرماتے ہیں **تعرض المسائل المنقولة عن الامام مالك و الامام الشافعي والامام ابی حنیفة من المجتهدین ومذا هبهم وفتاواهم علی الصحیحین** ۔یعنی امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے مسائل منقولہ کو اور ان کے مذہب وفتاووں کو بخاری مسلم کی احادیث پر پیش کرنا چاہیے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی اور محدثین کا رجحان:۔

اور مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی نے تو باوجود حنفی ہونے کے اپنی کتاب ''امام الکلام'' میں بڑی وضاحت کے ساتھ اس بات کا فیصلہ کر دیا ہے کہ اکثر مسائل اصولی وفروعی میں محدثین کا رجحان ہی قوی ہے چنانچہ فرماتے ہیں **من نظر بنظر الانصاف وغاص فی بحار الفقه والاصول متجنبا عن الاعتساف یعلم علما یقینا ان اکثر المسائل التی اختلف العلماء فیها فمذهب المحدثین فیها اقوی من مذاهب غیرهم وانی کل اسیر فی شعب الاختلاف اجد قول المحدثین فیه قریبا من الانصاف فلله درهم وعلیه شکرهم کیف لا وهم ورثة النبی ﷺ حقا ونواب شرعه صدقا حشرنا الله فی زمرتهم واماتنا علی حبهم وسیرتهم .**

جو بنظر انصاف دیکھے اور تعسف سے بالاتر ہوکر فقہ واصول کے دریاؤں میں غوطا لگائے وہ یقیناً جان لے گا کہ اصولی وفروعی اکثر مسائل جن میں علما کا اختلاف ہے ان میں دوسروں کے مذاہب سے محدثین کا مذہب زیادہ قوی ہے اور میں جب اختلافی مسائل میں وسیع نظر ڈالتا ہوں تو ان میں محدثین کا قول انصاف کے قریب پاتا ہوں پس خدا ہی کے لئے ان کی بھلائی ہے اور خدا ہی انکی قدردانی کرے گا۔ اور کیسے ان کی یہ شان نہ ہو حالانکہ نبی ﷺ کے ٹھیک وارث ہیں۔ اور آپ کی شریعت کے سچے نائب ہیں خدا تعالیٰ ہمیں بھی انہی کے گروہ میں اٹھائے اور انہی کی محبت اور انہی کی سیرت پر خاتمہ کرے آمین۔

امام طحطاوی اور حق و باطل کا معیار:۔

امام طحطاوی حنفی اس سے بھی بڑھ کر لکھتے ہیں انہوں نے حق و باطل سنت و بدعت کا معیار ہی محدثین اور ان کی کتب کو قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

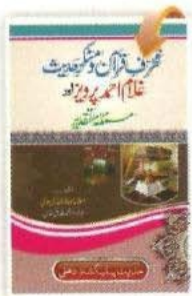
فان قلت ماوفوتك على انك على صراط مستقيم و كل واحد من هذه الفرق يدعى انه عليه قلت ليس ذلك بالادعا ء و التشبث باستعمالهم للوهم القاصر و القول الزاعم بل بالنقل عن جهابذة هذه الصنعة و علماء اهل الحديث الذين جمعوا صحاح الاحاديث فى امر رسول الله ﷺ و احواله و افعاله و حركاته و سكناته و احوال الصحابة و المهاجرين و الانصار و الذين اتبعوهم باحسان مثل الامام البخارى و مسلم و غيرهما من الثقات المشهورين الذين اتفق اهل المشرق و المغرب على صحة ما اوردوه فى كتبهم من امور النبى ﷺ و اصحابه ثم بعد النقل ينظر الى الذى تمسك يهديهم و اقتفى اثرهم و اهتدى بسيرتهم فى الاصول و الفروع فيحكم بانه من الذين هم و هذا هو الفارق بين الحق و الباطل و المميز بين من هو على صراط مستقيم و بين من هو على السبيل الذى

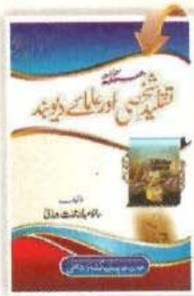
عن یمینہ وعن شمالہ (طحطاوی طبع مصر جلد نمبر ۴ صفحہ نمبر ۱۵۳)

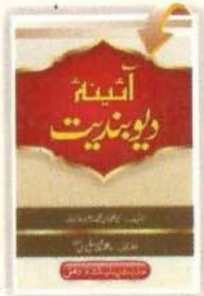
اگر تو کہے کہ تجھے کس طرح معلوم ہے کہ تو صراط مستقیم پر ہے حالانکہ ہر فرقے کا یہی دعوی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چیز صرف دعوی سے اور وہم قاصر اور خیالی قول کے استعمال کے ساتھ چنگل مارنے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ ماہرین فن اور علماء اہلحدیث سے نقل کے ساتھ حاصل ہوتی ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے معاملات، احوال، افعال، حرکات وسکنات اور صحابہ اور مہاجرین وانصار اور انکے متبعین مخلصین کے حال واحوال میں صحیح احادیث جمع کی ہیں جیسے بخاری ومسلم اور انکے علاوہ دیگر محدثین جو عام شہرت کے مالک ہیں جن کے متعلق اہل مشرق ومغرب سب متفق ہیں کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے صحیح حالات جمع کئے ہیں پھر نقل کے بعد دیکھا جائے گا کہ کس نے ان کے طریقہ سے چنگل مارا ہے اور ان کے آثار کی اتباع کی ہے اور اصول وفروع میں ان کی سیرتوں کے ساتھ ہدایت پائی ہے پس اب فیصلہ کیا جائے گا کہ یہ شخص ان لوگوں سے ہے جو صراط مستقیم پر ہیں۔ اور یہی چیز حق وباطل کے درمیان فارق ہے اور اسی طرح صراط مستقیم پر چلنے والے اور دائیں بائیں شیطانی راستوں پر چلنے والے کے درمیان تمیز ہوتی ہے۔

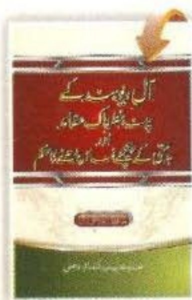
اس تفصیل سے مجتہدین سابقین کی احادیث کے متعلق فقیہانہ نظر کی حقیقت سامنے آگئی اور معلوم ہو گیا کہ صحت وضعف احادیث میں جو فقیہانہ نظر محدثین کی ہے اس کے مقابلہ میں سب رجحانات ضعیف ہیں اور آخر اعتماد کلی محدثین کے فیصلوں پر ہے یہاں تک کہ حق وباطل کا معیار اور سنت وبدعت کی کسوٹی انہی کا جمع کردہ مواد ہے اور مجتہدین کی درایت صرف قرآن وحدیث سے استنباط واستخراج تک محدود ہے اور اسی بنا پر وہ مجتہد کہلائے خدا صراط مستقیم پر چلائے اور اسی پر خاتمہ کرے آمین۔

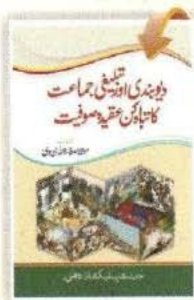
واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

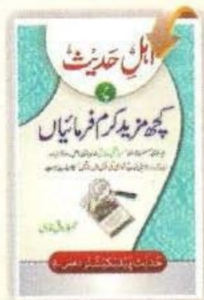

محرف قرآن و منکر حدیث
غلام احمد پرویز اور


مسئلہ
تقلید شخصی اور علمائے دیوبند

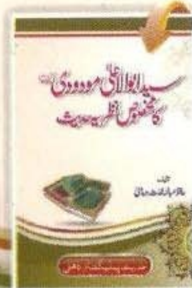

آئینہ
دیوبندیت

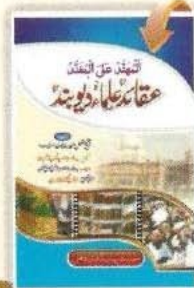

آل دیوبند کے

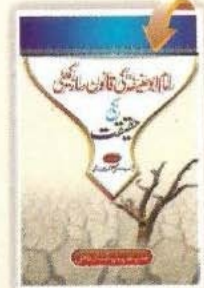

دیوبندی اور تبلیغی جماعت
کا تباہ کن عقیدہ صوفیت


اہلِ حدیث
پر
کچھ مزید کرم فرمائیاں




سید ابو الاعلیٰ مودودی
کا مخصوص نظریہ حدیث


المهند على المفند
عقائد علماء دیوبند


حقیقت



75/-